

اسلامی اندلس میں سیرت نگاری کا ارتقاء

ڈاکٹر نثار احمد

تاریخ کے بعض حقائق اپنے بیان میں اتنے ناگزیر ہوتے ہیں کہ جنکی تکرار کے بغیر مختلف امور کی وضاحت نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی گفتگو نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے۔ شاید اسی لئے اسلامی اندلس کی تاریخ کے حوالہ سے مجملاً یا مفصلاً اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے (۱) اسمیں بعض باتوں کا اعادہ اکثر و بیشتر کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ اپنے موضوع بحث کے آغاز میں ہم بھی اسلامی اندلس کے مجموعی تناظر میں بعض تاریخی حقائق کا اعادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ :-

(۱) جزیرہ نمائے اندلس کی طرف مسلمانوں کی توجہ اگرچہ اُس وقت سے مبذول ہوئی جبکہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں افواج اسلامی کی بحری قوت کو منظم کیا گیا (۲) اور پھر رفتہ رفتہ اسلامی بحری بیڑہ اس قابل ہوتا چلا گیا کہ سمندری راستوں سے دشمنان اسلام کی یلغار روک سکے، مملکت اسلامی کی سرحدوں کی حفاظت کر سکے اور دلیر و گستاخ حملہ آوروں کی مناسب تادیب کر سکے۔ تاہم اُس سر زمین کی باقاعدہ فتح (۳) اور اُس علاقہ میں مسلمانوں کے اختیار و اقتدار کا آغاز عہد اموی (۹۱، ۹۲ ہ / ۷۱۱ء / پہلی صدی ہجری) / ۸ ویں صدی عیسوی) میں ہوا۔ (۴)

(ب) اندلس میں مسلمانوں کی عسکری پیشقدمی اور سیاسی فتح جتنی شاندار و حیرت انگیز تھی - کم و بیش آٹھ سو سال کی حکمرانی کے بعد مسلمانوں کے اقتدار کا انحطاط و زوال (۵) اور بالآخر وہاں سے اُن کا کلیۃً اخراج اُس سے بھی زیادہ عبرت ناک ثابت ہوا - (۶)

(ج) اسلامی اندلس میں اگرچہ مسلمانوں کی سیاسی فتوحات ، بحروبر پہ انکا تصرف ، قائدانہ کارنامے اور مردانگی و فرزانگی کے اُن گنت واقعات ناقابل فراموش حیثیت رکھتے ہیں - تاہم اُن کے عہد اقتدار کی اصل اہمیت اس بات میں ہے کہ انہوں نے تہذیب و تمدن ، ثقافت و حضارت ، اور علوم و فنون کی ایسی شمعیں روشن کیں جن سے اندلس کے ہی بام و در روشن نہیں ہوئے بلکہ یورپ کے کلیۃً تاریک میں بھی سحر نمودار ہوئی - چنانچہ یہ مسلمات میں داخل ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ دراصل مسلمانان اندلس کی رہیں منت ہے (۷) چنانچہ بقول رابرٹ بریفالٹ ،، یورپ کی حقیقی نشاۃ ثانیہ پندرھویں صدی میں نہیں بلکہ عربوں اور موروں کی احیائے ثقافت کے زیر اثر وجود میں آئی - یورپ کی نئی پیدائش کا گہوارہ اٹلی نہیں ہسپانیہ تھا ،، - (۸)

(د) یہ بات بھی کم و بیش متفق علیہ ہے کہ اسلامی اندلس میں جس وقت ذہنی و فکری بالیدگی اپنے عروج پر تھی اور علمی تعلیمی سرگرمیاں نصف النہار پر ، تو ہمسایہ یورپی ممالک گویا ہنوز طفل مکتب تھے اور بمشکل حرف شناسی کی منزل سے گذر رہے تھے - چنانچہ ڈاکٹر ڈنلپ اندلسی مسیحی مصنف Andres کا یہ قول بغرض تنقید نقل کرنے کے باوجود اس کی صحت سے انکار نہ کر سکا کہ : ،،جس زمانے میں مسیحی تعلیمی ادارے محض سادہ و آسان حساب

کی مشقیں کرا رہے تھے اور گرجا میں گانا، گانا سکھا رہے تھے اُس وقت تک اندلسی عربوں کے سفراء لاطینی و یونانی زبانوں کی ایسی معیاری کتابوں کی تلاش میں تھے (جنکو عربی میں منتقل کیا جا سکے) - کونیات و فلکیات کے مطالعہ کے لئے رصدگاہیں قائم تھیں -

_____ معلومات میں اضافہ کے لئے علمی اسفار معمول کی بات تھی اور ایسی درسگاہیں قائم تھیں جہاں ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی تھی - « (۹)

اسلامی اندلس میں تعلیم و تعلّم کے غایت اہتمام کے سبب،، غابری الاندلس و حاضرہا ،، جیسی محققانہ کتاب کا مصنف اُس وقت کے اندلس کو ایسا ،، کعبۃ العلم ،، قرار دیتا ہے جسکی طرف وفور شوق سے فرانس ، اٹلی اور دوسرے ممالک سے لاتعداد زائرین (ذہین طلباء) اس طرح کھچ کھچ کر آتے تھے جس طرح آجکل حصول علم کے شوق میں طلباء فرانس، جرمنی، برطانیہ، ہالینڈ وغیرہ کی جامعات کا رخ کرتے ہیں (۱۰) - اس سر زمین کو ،، کعبۃ العلم ،، بنانے میں جن عوامل نے خاص طور پر حصہ لیا وہ پانچ تھے - (۱) طلب علم کی جستجوئی پیہم رکھنے والے طلباء (۲) علم و کردار سے مرصع علماء، محققین اور اساتذہ (۳) لاتعداد درسگاہیں (مدارس و جامعات) (۴) ان گنت لائبریریاں، لاکھوں کتابیں اور (۵) علم دوست، علم پرور حکمران -

(۵) ایک مصنف کا یہ کہنا کہ ،، اگر مسلمان اسپین اور سسلی نہ جاتے تو یورپ بربریت، فلاکت اور انتہائی بداخلاقی کی دلدل سے کبھی نہ نکل سکتا ،، (۱۱) یقیناً مبالغہ آمیز قرار نہیں دیا جا سکتا - بلکہ پندرھویں صدی میں اس پر ایک اور مہر تصدیق اُس وقت ثبت ہو گئی جبکہ مسلمانوں کے اخراج کے معاً بعد گویا آسمان علم کے تمام شمس و قمر ڈوب گئے اور اندلس جہالت و بربریت کی تاریکیوں میں

پھر سے گھر گیا۔ چنانچہ لین پول جیسا بالغ نظر مصنف مسلمانوں کے اخراج اور جلاوطنی پر خوش ہونے والے مسیحیوں کو مطعون کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ فریب خوردہ اسپینی یہ جانتے ہی نہ تھے کہ کیا کر رہے ہیں؟ مسلمانوں کے نکالے جانے پر جز وقتی خوشی کے سوا کیا حاصل ہو سکتا تھا؟ وہ تو یہ سمجھنے سے بھی قاصر رہے کہ انہوں نے اپنے ”مرغ زریں“ کو ہلاک کر دیا ہے آہ! وہ مسلمان چلے گئے جن کے زیر سایہ اندلس سینکڑوں برس تک بے مثل تہذیب و تمدن کا مرکز اور تمام علوم و فنون کا سرچشمہ بنا رہا۔ جن کی بدولت اسے صدیوں کوثر علمی اور کعبہ تہذیب بننے کا فخر حاصل رہا (۱۱۲)۔ پھر آخری جملوں میں لین پول یوں نوحہ کتاں ہوتا ہے کہ مسیحیوں نے مسلمانوں کو جلاوطن کر کے ان کے نام و نشان مٹا ڈالے، تب بھی اندلس میں کچھ عرصہ جھلملاہٹ تو رہی، مگر اس مانگے کی روشنی سے، جو ان کی اپنی نہ تھی۔ بلکہ چاند کی روشنی کی طرح مستعار اور عطائے خورشید! اس لئے چند ہی دنوں بعد کیا ہوا؟ چاند کو گرہن لگ گیا اور پھر ایسی گہری تاریکی پھیل گئی جس میں ملک و قوم آج تک ملتبس چلی آتی ہے (۱۱۳)۔

یہ اندھیرا اُن کے اپنے کرتوت کا نتیجہ تھا۔ ایک ایک کر کے سب روشنیاں وہ خود گل کرتے چلے گئے۔ مذہبی جنون و تعصب، تنگ نظری، جہالت و بربریت کا کون سا نمونہ اُنکے ہاں نہیں ملتا؟ (۱۱۴) مسلمان نکلے تو علماء فضلاء، فلاسفہ، حکماء کا وہاں قحط پڑ گیا، فکر و دانش کی آبرولٹ گئی، علم و تحقیق کی بساط لپٹ گئی، اس پر مستزاد علم دشمن مسیحیوں نے سینکڑوں لائبریریاں نذر آتش کر دیں، لاکھوں کتابیں جلا ڈالیں (۱۱۵)، درسگاہوں پر تالے ڈال دیئے، لوٹ مار قتل و غارتگری کی آندھیوں نے بھرے بھرے شہر اجاڑ دیئے،

تہذیب و ثقافت کی لہلہاتی فصلیں تباہ کر دیں۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کیا نکل سکتا تھا؟ نہ روشن چراغ رہے نہ روشن دماغ، پس اندھیروں نے ڈیرے جما لیے۔

(۲)

یہ صحیح ہے کہ اندلسی مسلمانوں کے تہذیبی و تمدنی کارناموں کے بارے میں اب تک مختلف زبانوں میں، مختلف سطحوں پر، کتابوں، کتابچوں، رسالوں اور مقالوں کی شکل میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ ان کا استسقاء بھی ممکن نہیں، پھر مختلف علوم و فنون کے حوالہ سے قدیم و جدید علماء و محققین کی نگارشات بھی عرصہ دراز سے علمی حلقوں میں معروف و متداول ہیں لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ مذکورہ بالا حوالوں سے جو کچھ لکھا گیا ہے انمیں اکثر و بیشتر مصنفین کی توجہ یا تو طبعی اور سائنسی علوم کی طرف رہی ہے یا نظری، فکری، معاشرتی علوم و فنون کی طرف۔ مثلاً طب، ریاضی، ہندسہ، منطق و فلسفہ، کلام، طبیعیات و کیمیا، نحو و لغت، ہیئت و فلکیات، نجوم و ارضیات، جغرافیہ، فلاحت، زراعت، صنعت و حرفت، شعر و ادب، تعمیرات، موسیقی، مصوری، خطاطی، نقاشی، اور متعلقات میں ترویج و ترقی اور متعلقہ میدانوں میں ممتاز علماء کے کارناموں کا جائزہ لیا جاتا رہا ہے۔ قرطبہ و غرناطہ کے قصور و محلات اور الزہراء کے عجائبات کے بارے میں ہر ایک رطب اللسان ہے بنا بریں یہ امر باعث تعجب ہے کہ دینی علوم میں سے تفسیر، حدیث و فقہ اور تاریخ سے عموماً اور سیرت نگاری سے خصوصاً بہت بے اعتنائی برتی گئی ہے۔ نتیجتاً ہمارے قدیم و جدید مآخذ، اور عربی،

اردو، انگریزی، کسی چھوٹی بڑی کتابوں میں بھی تفصیلات کا فقدان ہے۔ عام طور پر مفسرین، محدثین، فقہا اور اصحاب سیر کے کچھ نام گنا دینے پر اکتفا کر لیا جاتا ہے، یا زیادہ سے زیادہ اُن کے تعارف پر مبنی چند جملے اور کچھ اشارات۔ قابل لحاظ مواد بہر حال نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ علامہ ابن الفرضی (م ۴۰۳ھ) کی مشہور کتاب (تاریخ العلماء والرواة للعلم بالاندلس) میں یہی کچھ ہے (۱۶)۔ علامہ ابن حزم (م ۴۵۶ھ) کے رسالہ میں (جو علامہ المقری (م ۱۰۴۱ھ) نے نفع الطیب میں نقل کیا ہے) (۱۷) مختلف علوم و آثار کے ممتاز علماء کی فہرست، کتابوں کے نام اور کہیں کہیں مختصر تعارف اور برائے نام تبصرہ ہے اور بس۔ پھر خود مقری نے ابن سعید کا ذیلی اور خود اپنا جو اضافہ شامل کیا ہے اسمیں بھی ایجاز و اختصار نمایاں ہے (۱۸)۔ کم و بیش یہی حال ابن بشکوال (م ۵۷۸ھ) کی کتاب الصلة کا ہے (۱۹)۔ ہاں حمیدی (م ۴۸۸ھ) کی جذوة المقتبس میں نسبتاً زیادہ تفصیل ہے (۲۰)۔ ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) کا بیان بھی بعض علماء کے بارے میں بڑا مفصل ہے (۲۱) البتہ علامہ سخاوی (م ۹۰۲ھ) نے بالالتزام کتب سیرت اور اصحاب سیر کا الگ عنوان کے تحت ذکر کیا ہے (۲۲)۔

عربی کے علاوہ اردو زبان میں لکھی جانے والی کتابوں میں بھی صورت حال کم و بیش یکساں ہے۔ مثلاً نواب ذوالقدر جنگ بہادر نے اپنی کتاب (خلافت اندلس) کے دوسرے ایڈیشن (۱۹۳۳ء) کے باب چہارم میں جن علمائے اندلس کے حالات کا اضافہ کیا ہے انمیں سیرت نگاری کا حوالہ صرف تین علماء کے ضمن میں ہے (۲۳)۔ رشید اختر ندوی کی تہذیب و تمدن اسلامی میں علی ادبی ثقافتی جائزہ لیتے ہوئے علماء اور کتابوں کے نام اور محض سرسری سا تذکرہ پایا

جاتا ہے (۲۳) عبدالقوی ضیاء کی ہزار صفحات پر، تاریخ اندلس، میں اگرچہ حوالوں کا اہتمام نہیں لیکن ایک پورا باب (۹۳۱ تا ۹۸۴) مختلف علوم و فنون کے علماء و آثار کے لئے مختص ہے تاہم چند مؤرخوں کے نام (ابن حبان ، ابن بشکوال، ابن حزم ، ابن بسام ، ابن عبدالبر) اور انکے لئے چند اچھے الفاظ سے آگرے کچھ نہیں (۲۵)۔

برق کی کتاب (یوزپ پر اسلام کے احسان) مجموعی طور پر اچھا تاثر قائم کرتی ہے ، اور باب پنجم (۱۶۶ تا ۲۹۹) میں اسلامی علوم و فنون کے بہت سے حوالے درج ہیں تاہم باضابطہ طور پر سیرت نگاران اندلس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ یہی حال دوسری کتابوں کا ہے۔

مزید برآں سیرت نگاری کے حوالہ سے انگریزی میں بروکلیمان ، فلپ حتی ، امیر علی وغیرہ کے یہاں کوئی مواد نہیں پایا جاتا۔

اس تفصیل کی رو سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سیرت نگاری اور سیرت نگاران اندلس کے باب میں بہت تشنگی پائی جاتی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اسلامی اندلس کا نئے سرے سے علمی تاریخی جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ مسلمانوں کے عہد اقتدار میں سیرت نگاری کے رجحانات نے کس طرح نشوونما پایا ، اس سلسلے میں ممتاز علماء و محققین کی کتابوں اور کارناموں کا تعارف بھی ناگزیر معلوم ہوتا ہے زیر نظر مقالہ اسی علمی ضرورت کو پورا کر نیکی ایک حقیر سی کوشش ہے۔ لیکن اس وضاحت کے ساتھ کہ یہاں سیرت نگاری کے جائزہ میں ہم سیرت رسول کے تمام گوشوں (حیات ، سوانح ، شمائل ، خصائل ، فضائل ، کردار اور کارناموں) کو شامل سمجھتے ہیں (۲۶)۔

سیرت نگاری کا باقاعدہ آغاز خلافت راشدہ (عہد صحابہ) کے بعد خلافت بنو امیہ دمشق (تابعین) کے زمانہ میں ہوا۔ پھر یہ سلسلہ رفتہ رفتہ آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ اُسے عروج و ارتقاء خلافت عباسیہ بغداد کے عہد میں حاصل ہوا (۲۷۰)۔

جزیرہ نمائے اندلس پر اسلامی اقتدار اُسکی فتح (۹۲ھ/۱۱ء) کے بعد ہی قائم ہو گیا تھا۔ اور خلافت کی طرف سے وہاں والیوں اور گورنروں کا تقرر کیا جاتا رہا، لیکن اس سرزمین کو قرار واقعی اہمیت اس وقت حاصل ہوئی جب مشرق میں انقراضِ خلافت کے بعد (۱۳۸ھ/۵۶ء میں) عبدالرحمن الداخل نے اندلس پہنچ کر ایک آزاد و خود مختار حکومت قائم کر لی۔

کہا جا سکتا ہے کہ (الداخل سے پہلے) اندلسی حکومت کا دور ولایت سیاسی اعتبار سے چند ایک واقعات کے سوا، کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں رکھتا، اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی رو سے وہ اندلس کی تاریخ کا غیر واضح دور ہے جس میں عرب قبائل کی باہمی رقابتیں اسپین میں نئے سرے سے ابھر آئیں، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں زبردست سیاسی انتشار پیدا ہو گیا (۲۸)۔ ہمارے نزدیک اندلسی تاریخ کا یہ ابتدائی (۳۵، ۳۶ سالہ) دور (۹۲ھ - ۱۳۸ھ/۱۱ء - ۵۶ء) سیاسی اعتبار سے چاہے جتنا بے وقعت قرار دیا جائے، اپنے اسلامی تشخص اور اس دور میں ہونے والی دینی / مذہبی نمود کے لئے، اسکو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ذرا اسکی اٹھان تو دیکھئے ! یہ تاریخی واقعہ ہے کہ اُس سر زمین پر قدم رکھتے ہوئے مجاہدین اسلام نے اللہ کا نام لیا تھا اور اُسی کی رضا اور خوشنودی

کے لئے مسلسل معرکہ آراء رہے۔ طارق بن زیاد کا وہ اولین تاریخی خطبہ (۲۹) جس نے اندلس میں گویا فتوحات کا صور پھونکا، ثابت کرتا ہے کہ مسلمان مال غنیمت کے شوق میں یا محض کشور کشائی کے سفلی مقاصد کے لئے یہاں نہیں پہنچے تھے بلکہ انکا مقصد اعلاء کلمۃ الحق کے سوا کچھ نہ تھا۔ چنانچہ طارق کے خطاب میں یہ الفاظ مقصد و مدعا کا صاف صاف اظہار کر رہے ہیں۔ „[لیکن حظه منکم ثواب اللہ علی اعلاء کلمۃ و اظہار دینہ بھذہ الجزیرۃ] پھر یہی مقصد یہی جذبہ الفاظ کے پیرھن میں طارق کے لبوں پر یوں نغمہ زن ہوا (۳۰)

رکبنا سفینا بالمجاز قیصر

عسلی ان یکون اللہ منا قد امرسی

نقوساً و اموالاً و اہلابجنیۃ

اذا ما اشتہینا الشی فی تیسرا

ولسنا بنالی کیف سألت نفوسنا

اذا نحن أدرکنا الذی کان اجدرا

موسیٰ بن نصیر، جس نے اندلس کی تمام تر فتوحات کی بڑے سلیقہ سے منصوبہ بندی کی تھی۔ پہلے جس نے اپنے فرستادوں (طریف و طارق) کے ذریعہ اور پھر خود وہاں پہنچ کر جہاد کیا تھا، چہار جانب اسلامی پرچم لہرایا تھا، اور جو تمام مہمات کی قیادت و سیادت کر رہا تھا دوسری تمام حیثیتوں کے ساتھ ساتھ وہ مسلمہ طور پر ایک „تابعی“ بھی تھا (۳۱)۔ اور جہاد اندلس میں اس کے ساتھ تابعین، زہاد، عباد، علماء اور صلحائے امت کی جماعت نے بھی شانہ بہ شانہ حصہ لیا تھا (۳۲)۔ بلکہ روایت کی رو سے (جسے عام طور پر بیان نہیں کیا جاتا) صفار صحابہ میں سے ایک صحابیؓ رسولؐ جناب منیذرؓ نے بھی وہاں قدم رنجه فرمایا تھا (۳۳)۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسلامی / دینی / مذہبی رجحانات کی جو فصل فتح اندلس کے وقت موسیٰ بن نصیر ، طارق بن زیاد ، (صحابہ و) تابعین، مجاہدین اسلام ، اور متقین و علماء نے لگائی تھی وہ بعد میں بھی نمو پاتی رہی یہاں تک کہ اسلامی اندلس کے آئندہ ادوار میں لہلہانے لگی۔ ہمارے مؤرخین و مصنفین کے ہاں اس نکتہ کو عام طور پر درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ اُن ہی کی مساعیٰ جمیلہ اور خلوصِ نیت کا کرشمہ تھا کہ وہاں دین کا چرچا بہت ہوا۔ دینی علوم کا حصول مسلمانانِ اندلس کی ثقافتی سرگرمیوں کا اہم ترین حصہ بنا رہا اور اسی ماحول نے آگے چل کر سیرت نگاری کے رجحانات کو فروغ بخشا۔ اگر صرف ابن الفرضی ، الحمیدی اور ابن بشکوال کی کتابوں کو ہی سامنے رکھا جائے تو اندلس کے سینکڑوں مفسرینِ قرآن ، محدثین اور فقہاء و قضاة کی فہرست بہ آسانی مرتب کی جا سکتی ہے۔

(۳)

عبدالرحمن الداخل کے بعد جس خود مختارانہ ، دورِ امارت ، کا آغاز ہوا ، اور جو عبدالرحمن کے اعلانِ خلافت (۵۶) - ۹۲۹ / تقریباً پونے دو سو سال) تک جاری و ساری رہا، کئی لحاظ سے پیش رفت کا حامل ہے :-

(۱) دینی مذہبی روایات اسی دور میں مستحکم ہوئیں ، علمی تعلیمی سرگرمیوں نے فروغ پایا ، تحصیلِ دین کا عام مذاق مسلمانوں میں بیدار ہوا ، مدارس قائم ہوئے ، مساجد تعمیر ہوئیں جو صرف عبادت گاہیں نہ تھیں بلکہ تعلیم و تدریس کے ایسے مراکز بھی ، جو ذخیرہ ہائے کتب سے مالا مال تھے اور جہاں مقامی آبادی کے علاوہ

دوسرے علاقوں سے عموماً اور یورپ کے مختلف حصوں سے خصوصاً ، تشنگان علم آتے تھے اور دینی و دنیوی علوم سے بہرہ ور ہوتے تھے ، اور جن میں سے اکثر کو بعد میں بین الاقوامی شہرت کی جامعات کا درجہ حاصل ہوا۔

(ب) تعلیم کے ساتھ تربیت کا اہتمام ہوا۔ صدھا محدثین ، فقہاء اور شیوخ و اساتذہ کے حلقہ ہائے درس قائم ہو گئے۔ اور ظاہری باطنی اسباق پڑھانے کے لئے شہر شہر ، قریہ قریہ علماء ، فضلاء ، مفسرین ، مجتہدین ، صالحین و متورعین اپنی اپنی مسندیں بچھا کر جہاں جہاں بیٹھ گئے ، طلباء جوق در جوق شرف ہم نشینی کے لئے وہاں امڈ آئے۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ایسے ایسے شہر جہاں پہلے جہل کی خاک اڑتی تھی اور فکر و دانش بالکل اجنبی تھے تمدن و حضارت کا مرکز اور نغمگئی علم سے رشک ارم بن گئے۔ چنانچہ اشبیلیہ، البیرہ، المریہ، استجہ، بلنسیہ، باجہ، بجانہ، بطلیوس، جیان، سرقسطہ، شاطبہ، شدونہ، طلیطلہ، نطرطوشہ، غرناطہ ، قرطبہ، قرمونہ، لورقہ، مارده، وشقہ اور دوسرے بیسیوں شہر، علماء کی کثرت اور علم و حکمت کی افراط سے پہچانے جانے لگے (۳۳)۔

(ج) دینی علوم کے حوالہ سے بطور خاص حدیث و سنت کی تحصیل اور فقہی رہنمائی کے لئے اندلس والوں کی نگاہیں مکہ و مدینہ کی طرف اٹھیں۔ اور پھر جذب و شوق نے انہیں بادیہ پیمانی پر مجبور کر دیا۔ حجاز میں اُس وقت امام مالک کا ڈنکا بچ رہا تھا ، اس لئے علمائے اندلس کی کثیر تعداد نے اُن سے استفادہ کیا اور ان سے روایت حدیث کا فخر حاصل کیا۔ عالم اسلام کے دوسرے علاقوں میں بھی ائمہ مجتہدین ، محدثین ، فقہاء اور متورعین ، اصحاب الرائے ، اہل الحدیث ، اساتذہ و محققین کی کثرت تھی ، اس لئے

اندلسی طائران شوق کی پرواز محدود نہ رہ سکتی تھی۔ دمشق، شام، کوفہ، بغداد، بصرہ، مصر، اسکندریہ، ہر جگہ علم و حکمت کی فراوانی تھی، یہ قدر ہمت اوست، ہر ایک کسی نہ کسی کعبۂ علمی کے طواف میں مصروف ہو گیا، حصول علم سے فارغ ہو کر جب انہی حضرات نے اندلس مراجعت فرمائی تو کچھ ہی عرصہ میں اندلس کے درو دیوار سے قال اللہ، قال الرسول کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

یہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ دینی و مذہبی دائرے میں اندلس نے سب سے زیادہ اثر امام مالک (م ۱۷۹ھ) کا قبول کیا۔ لیکن اسکا مطلب یہ نہیں لیا جانا چاہئیں کہ حدیث و اثر کی مالکی روایت اور مالکی فقہ کے علاوہ دیگر فقہی رجحانات وہاں متعارف نہیں ہوئے۔ اگر زمانی ترتیب کو پیش نظر رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ پہلے پہل وہاں اوزاعی مکتب فکر نے رسائی حاصل کی۔ چنانچہ ابن الفرضی کی تصریح کے مطابق صعصعہ بن سلام الشامی عبدالرحمن الداخل کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ امام اوزاعی سے روایت حدیث کرتے تھے اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث کو اندلس میں رواج دیا۔ انکا انتقال ۱۸۰ھ میں ہوا (۳۵)۔ اسی دوران مالکی اثرات کا عمل دخل شروع ہوا۔ اور ان محدثین کبار کی کوششیں رنگ لائیں جنہوں نے خود امام مالک کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا اور موطا کی سماعت کی۔ مثلاً ابو محمد الغازی بن قیس (الداخل کے عہد میں علمی سفر اختیار کیا اور امام مالک سے موطاسنی، انتقال ۱۹۹ھ میں ہوا (۳۶) زیاد بن عبدالرحمن اللخمی (حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی اولاد میں سے تھے) (۳۷) شیطون بن عبداللہ (م ۲۱۲) (۳۸) عبدالرحمن بن موسیٰ الہواری

(الداخل کے زمانہ میں امام مالک کے علاوہ سفیان بن عیینہ سے بھی سماعت کی، قرآن کی ایک تفسیر بھی لکھی) (۳۹) اور سب سے زیادہ شہرت پانے والے محدث و فقیہ ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر (بن دسلاس و قیل و سلا سن بن شمالی بن منغایا اللیشی) جو امام مالک کے آخری زمانہ میں حاضر خدمت ہوئے جب ان کی عمر صرف ۲۸ سال تھی۔ اور جنکی جبین سعادت کو دیکھ کر امام صاحب نے انہیں ,, عاقل اہل الاندلس کہا ,, (۴۰) اور جو اپنے اہل وطن میں واقعی عقل و خرد ، غلبہ و اثر کے اعتبار سے سب پر بازی لے گئے۔ ان اصحاب مالک سے استفادہ کرنے والوں کا تو شمار بھی مشکل ہے (۴۱)۔

(د) دین کی طرف مسلمانوں کی عام رغبت ، علماء و محدثین کی تعلیمی تدریسی سرگرمیوں ، اساتذہ و محققین کی کاوشوں کے ساتھ ساتھ اس دور میں باذوق حکمرانوں کی عالی ظرفی اور انکی طرف سے حوصلہ افزائی نے حالات کو دینی علوم و فنون کے لئے خصوصاً اور حدیث و سیرت کی بالیدگی کے لئے خصوصاً زیادہ سازگار بنا دیا۔ دور امارت کے اکثر صاحبان اقتدار خود علم و ادب کا ذوق رکھنے والے ، عالم فاضل، مذهب، علماء فقہا، اور محدثین کی توقیر کرنے والے تھے۔ اس طرز عمل اور رویہ کا اظہار عبدالرحمن الداخل نے شروع کیا (۳۲) کیا جبکہ اس کے جانشین ، ہشام اول (۱۲۲ - ۱۸۰ھ/۸۸۸ - ۹۶۶ھ) کا دور نسبتاً مختصر لیکن اسی حوالہ سے اسلامی اندلس کی سیاسی ثقافتی اور علمی و دینی تاریخ میں مہتمم بالشان حیثیت رکھتا ہے۔ مورخین اُس کے عہدِ امارت کو عام طور پر ,,خلافتِ عمر بن عبدالعزیز,, سے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ (۳۳) یہ نسبت بجائے خود ہشام کے علو مرتبت کی دلیل ہے۔ ہشام اپنی ذاتی حیثیت میں بھی بڑا خدا

ترس، عالم فاضل ، علم و ادب کا شوقین ، علماء فقہا کا قدردان ، امام مالک کا ہم عصر ، اُن کی فکر و فقہ کا دلدادہ تھا ۔ (۳۳) اور اسکی ذاتی دلچسپی و سرپرستی کے نتیجہ میں ہی مالکی فقہ کو برپناہ فروغ و مقبولیت حاصل ہوئی ۔ (۳۵) اور اسی سبب علماء و فقہاء معاملات حکومت و مشاورت میں بھی دخیل ہو گئے ۔

حکم نے غالباً فقہاء کی ،،مداخلت برجا ،، کو ہی روکنے کی کوشش کی تھی لیکن ایک چیز کو حد میں رکھنے کیلئے وہ خود بھی حد سے آگے نکل گیا ۔ تاہم اُسکی یہ ،،ناروا کوشش ،، مذہبیت کے فروغ اور ثقافت کے تنوع کو نہ روک سکی ۔ جسکا نتیجہ عبدالرحمن ثانی کے عہد میں سامنے آ گیا ۔ یہ بات جتنی مشہور ہے اتنی ہی صحیح بھی کہ علم و ادب کے فروغ ، تہذیب و ثقافت کی ترقی ، اور رعایا کی خوشحالی و فارغ البالی کے لئے اُس کا تیس سالہ دور (۲۰۶ ۔ ۲۳۸ھ / ۸۲۲ ۔ ۸۵۲ء) ہمیشہ یاد رکھا جائیگا ۔ ایک طرف عبدالرحمن الثانی کی ،،محمود السیرة ،، (۳۶) شخصیت اور دوسری طرف علما و فضلاء کی کثیر تعداد ثابت کرتی ہے کہ اسکے عہد میں دینی علوم کی تحصیل و ترقی کی رفتار تسلیٰ بخش طور پر جاری تھی ۔ البتہ علم الحدیث والسیر کی سرپرستی کے حوالہ سے غالباً اسکا جانشین (محمد بن عبدالرحمن) زیادہ حوصلہ مند کہا جا سکتا ہے ۔ جو خود بھی حسن سیرت کا مالک، علم سے محبت رکھنے والا ، اور آزاد رائے کے مقابلہ میں حدیث و اثر کا پرستار تھا (۳۷) ۔ چنانچہ الحمیدی کے مطابق ابو عبدالرحمن بقی بن مخلد (قرطبہ کے نامور محدث و مفسر، اندلس کے مجتہد امام تقریباً ۳۵ برس تک مشرق میں قیام پذیر رہنے، اور پونے تین سو اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کے بعد) جب ،،مُصنّف ،، ابی بکر ابن ابی شیبہ کے ساتھ۔ اندلس آئے تو اہل الرائے ،

(فکری اختلاف و رقابت کے باعث) انکے پیچھے پڑ گئے۔ لوگ اُن سے کچھ سننے پر تیار نہ تھے لیکن امیر محمد اول (۲۳۸ - ۲۴۳ھ) / (۸۵۲ - ۸۸۶ء) کی بروقت مداخلت سے نہ صرف یہ کہ باقی کی جان بخشی ہو گئی بلکہ یہ اعزاز و اکرام بھی ملا کہ اسنے کتاب کو خود سنا، اور اپنے کتب خانہ خاص میں ایک نسخہ رکھنے کا حکم دیا۔ اور باقی سے درخواست کی کہ وہ بلاخوف و خطر حدیث کی نشر و اشاعت کریں اور لوگوں کو حکم دیا کہ ان کے آڑے نہ آئیں۔ (۳۸)۔

(۵) ہمارے نزدیک یہ بات بھی اس دورِ امارت کی خصوصیات میں شمار ہو گی کہ دینی یا دنیوی ہر علم و ہنر کی تحصیل کے لئے عموماً اور قرأت، تفسیر، حدیث و سیر کے لئے خصوصاً اس دور میں „علمی اسفار“ کی روایت ایسی پڑی جو گویا ایک مستقل ادارہ (Institution) کی حیثیت سے آئندہ ادوارِ خلافت و ملوک الطوائف میں بھی جاری و ساری رہی۔ علمی اسفار کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ ذوق و شوق کی آبیاری ہوئی، جستجوئے پیہم کا درس ملا، بلکہ اندلس کا „علمی رابطہ“ دیار و امصار غیر سے استوار ہوا خصوصاً مشرق، جہاں سے „سیاسی رابطہ“ عباسیوں کے برسراقتدار آنے کے بعد منقطع ہو چکا تھا (۳۹)۔ علمی اسفار کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ جو عالم، محدث، راوی، فقیہ یا مجتہد علم و اسناد سے گراں بار ہو کر اندلس آیا تو اسکی خوب پذیرائی ہوئی۔ اور اُس نے خود بھی تعلیم و تدریس کے ایسے دفتر کھولے اور تلقین و ارشاد کا ایسا حق ادا کیا کہ دشت و جبل قرآن و حدیث کے نغموں سے گونجنے لگے۔ علمی اسفار اختیار کرنے والے علماء میں سے باقی بن مخلد کا حوالہ اوپر آ چکا ہے۔ مثالیں برے شمار ہیں۔ محمد بن عبدالسلام بن ثعلبۃ الخشنی

نے طلب حدیث کے لئے (متجولاً فی طلب الحدیث) ۲۵ سال علمی اسفار میں گزارے اور عراق اور دوسرے مشرقی ممالک کے محدثین سے کسب فیض کرتے رہے (۵۰)۔ انہوں نے امام احمد بن حنبل سے بھی سماعت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ اندلس آئے تو حدیث کی اشاعت اور شیوع کا باعث بنے (۵۱)۔ محمد بن وضّاح (م ۲۸۶ھ) جن کا منکرین رواۃ میں شمار ہوتا ہے یہ صیغہ اسفار علمی، طلب و جستجوئے حدیث میں بلاد مشرق اور مغرب کو چھانتے رہے۔ افریقہ میں سحنون (م ۲۵۶ھ) سے اور اندلس میں یحییٰ بن یحییٰ (م ۲۳۳ھ) سے بطور خاص استفادہ کیا اور پھر طویل عرصہ تک اندلس میں حدیث کی نشر و اشاعت میں مشغول رہے جس طرح ان کے دوسرے ساتھی (وہب بن مرہ، ابن ابی دلیم، قاسم بن اصبع، احمد بن خالد، یزید و محمد بن المسور، علی بن عبدالقادر اور احمد بن زیادہ وغیرہ) مشغول تھے (۵۲)۔

(و) زیر نظر دور امارت کی ایک خصوصیت یہ بھی شمار ہونا چاہئے کہ اس دور میں قرآن، حدیث و سیر کی جو خدمت ہوئی اس کا غالباً ۹۹ فیصد سزما یہ ہم تک منتقل نہیں ہو سکا۔ علاوہ ازیں تفسیر، حدیث و سیر اور متعلقات پر جو کچھ لکھا گیا اور اس سلسلہ میں جو کتابیں تصنیف، تالیف، مرتب ہوئیں، دست برد زمانہ سے نہ بچ سکیں۔ مثلاً بقی بن مخلد (م ۲۶۶ھ) کی بڑی بڑی تصانیف مثلاً تفسیر القرآن (جسے ابن حزم، طبری سے بہتر قرار دیتا ہے) اور مسند مُصَنَّف (جس میں ۱۳۰۰ صحابہ سے احادیث مروی تھیں) ناپید ہو گئی (۵۳)۔ عبد الملک بن حبیب (م ۲۳۸ھ) اندلس کے مشہور عالم و فقیہ کی، „الواضحة فی الحدیث والمسائل“ کا نام و نشان موجود نہیں (۵۴)۔ قاسم بن اصبع کی کتاب السنن، احکام القرآن،

کتاب فی الناسخ والمنسوخ، کتاب فی غرائب الحديث وغيره دستیاب نہیں (۵۵)۔ مفرج القاضی کی فقہ و حدیث پر لکھی ہوئی کتابیں مثلاً ،،فقہ الحسن البصری سات جلدوں میں اور ،،فقہ الزہری، کئی جلدوں میں تالیف بھی موجود نہیں (۵۶)۔ علاوہ ازیں حدیث و فقہ اور سیر و تاریخ کی دوسری کتابوں کے ساتھ۔ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔

(۵)

اسلامی اندلس کی تاریخ کا اگلا مرحلہ بجائے خود متعدد مراحل سے عبارت ہے ، جسمیں خلافت سے لیکر ملوک الطوائف تک مع متضمنات ، سیاسی نشیب و فراز سے پُر ایک ایسے دور کا نقشہ سامنے آتا ہے جسے عجبوہ روزگار کہنا چاہئیں۔ اس کے بہت سے اجزاء ہیں ، ہر جزو کی الگ کہانی اور ہر کہانی کے پیچھے لمحات کی بے شمار گرہیں جو واقعات کی رستی کو الجھاتی چلی جاتی ہیں۔ ہمارا موضوع بحث ہمیں ان عقدہ ہائے لاینحل سے تعرض کی اجازت نہیں دیتا، اس لئے صورت حال کی وضاحت کے لئے چند جملوں پر ہی اکتفا کیا جا سکتا ہے۔

عبدالرحمن الناصر کے اعلان خلافت (۳۱۸ / ۹۲۹) کے بعد جس ”دور خلافت“ کا آغاز ہوا۔ وہ اگرچہ سو سال کے لگ بھگ جاری رہا ، لیکن اس کا روشن ترین ، ہر لحاظ سے کامیاب ترین بلکہ اندلس میں مسلمانوں کے جہان اقتدار کا بہترین زمانہ اور اموی/ مروانی/ اندلسی خلافت کا ،،عہد زریں“ در حقیقت الناصر کا ہی عہد حکومت ہے۔ خلافت کا رعب و دبدبہ عز و وقار، ریاست کا اتحاد و استحکام ، قومی وحدت و سالمیت ، اور ملک و ملت کی آبرو الناصر کے بعد تھوڑا ہی عرصہ قائم رہ سکی۔ اس کے معاً بعد حکم

ثانی کا پندرہ سالہ دور (۳۵۰ - ۳۶۶ھ/۹۶۱ - ۹۷۶ء) بھی دراصل
 الناصر کے پنجاہ سالہ اقتدار کا نتیجہ تھا۔ اگر حاجب المنصور اپنی
 اولو العزمیاں نہ دکھاتا، تو اُس خلافت کی عمر شاید بہت کم ہوتی،
 اور لشتہ پشتم چلنے والی اموی خلافت اقتدار کے لالچی مدعیوں
 اور خونخوار رقیبوں کی جنگ بیچشم حسرت دیکھتے ہوئے ۳۲۲ھ/
 ۱۰۳۱ھ سے بہت پہلے دم توڑ جاتی۔

اختتام خلافت سے پہلے ہی طوائف الملوک کی کا شروع ہونے والا
 دور بھی اندلس کی سیاسی تاریخ پر کوئی خوشگوار اثر نہیں
 چھوڑتا۔ بادی النظر میں یہ دور اپنی طوالت (۳۲۲ - ۸۹۷ھ/۱۰۳۱ -
 ۱۳۹۲ء) کے اعتبار سے تو ضرور بڑی بڑی سلطنتوں کو شرما سکتا
 ہے۔ لیکن اپنے روشن کارناموں کے مقابلہ میں اپنے سیاسی افتراقات،
 متصادم مفادات، حسد و رقابت، غیر مختتم مناقشات اور عبرت
 ناک انجام کے سبب درحقیقت خود بام تاریخ میں سر نہیں اٹھا سکتا۔

(۶)

زیر نظر دور میں تمام تر سیاسی نشیب و فراز کے باوجود یہ بات
 بہت عجیب لیکن مبنی برحقیقت ہے کہ جملہ علوم و فنون کے فروغ و
 اشاعت کا عموماً اور دینی علوم کی توسیع و ترقی کا خصوصاً یہی
 زمانہ ہے۔ چنانچہ سیرت نگاری کے حوالہ سے بھی „عروج“ اسی
 زوال کے بطن سے پیدا ہوا۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ
 عام حالات میں کسی علم، عقیدہ، یا تحریک کے عروج و ارتقاء میں
 سرکاری سرپرستی اور سیاسی حالات کی سازگاری کو بڑا دخل
 حاصل ہے۔ سیرت نگاری کے حوالہ سے بھی یہ بات صحیح ہے کہ
 سرکاری سرپرستی اور مناسب سیاسی حالات اس کو مہمیز لگاتے
 رہے ہیں۔ چنانچہ قرطبہ کے خلیفہ حکم ثانی (۵۷) کے بعد بھی وقتاً

فوقتاً جو عالم ، علم پرور ، علم دوست حکمران مختلف مطلع ہائے اقتدار پر نمایاں ہوتے رہے مذہبی ، دینی ، تخلیقی سرگرمیوں کی پرورش و پرداخت میں حصہ لیتے رہے۔ ہشام بن حکم (۵۸) ، سلیمان بن الحکم (المستعین) (۵۹) ، ابو یعقوب یوسف بن عبدالمومن (۶۰) ، سرقطہ کے بنو ہود حکمرانوں میں سے تیسرا یوسف المومن باللہ (۶۱)۔ (۴۴۳ - ۴۴۸) ، اشبیلیہ میں بنو عباد کا المعتقد (۶۲) اور غرناطہ کے بنو احمر میں کئی لوگوں کا نام بہ طیب خاطر لیا جا سکتا ہے۔ تاہم ان حقائق کے علی الرغم معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سیرت نگاری کا پودا ، فصل گل ولالہ کا پابند ، نہیں رہا ، اور چمن سیاست کی بہار و خزاں سے بے پروا ہو کر پھلتا پھولتا رہا ، اور برگ و بار لاتا رہا۔ یہ بات کہ ادبار ، انحطاط اور طوائف الملوکی کے سائے جیسے جیسے گہرے ہوتے گئے سیرت نگارانہ سرگرمیوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا ممکن ہے اس وجہ سے ہو کہ امت پر عجب آ کر اگر وقت پڑا تھا تو عافیت یقیناً دامان سیرت ہی میں مل سکتی تھی۔

عہد خلافت اور ادوار مابعد کا تاریخی تجزیہ کرنے سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے دوران سیرت نگاری کی ابتدائی نشوونما ہوئی۔ اس دور کی نمائندگی کے لئے ہم ابن عبدربہ (م ۳۲۸ ہ) کا نام لے سکتے ہیں (تفصیلی تعارف اگلے صفحات میں آ رہا ہے) سیرت کا عروج و ارتقاء ہمارے نزدیک پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں ہوا اور اس عہد کے نمائندہ سیرت نگاروں میں ابن حزم (م ۴۵۶ ہ) ابن عبدالبر (م ۴۶۳ ہ) ابن الوقشی (م ۴۸۹ ہ) الریشاطی (م ۵۳۲ ہ) قاضی عیاض (م ۵۳۳ ہ) ابن المقدمی (م ۵۵۲ ہ) ابن بشکوال (م ۵۷۸ ہ) ، السہیلی (م ۵۸۱ ہ) اور الرعینی (م ۵۹۰ ہ) جیسی عظیم

شخصیات شامل ہیں۔ اس کے بعد ساتویں، آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں سیرت نگاری کی کثرت نہ سہی، تاہم بڑے ناموں اور کاموں سے یہ بھی خالی نہیں مثلاً خشنی (م ۶۰۶ھ) ابن دحیہ (م ۶۳۳ھ) الکلاعی (م ۶۳۳ھ) ابن سید الناس (م ۷۳۳ھ) اور ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) وغیرہ۔ بہرحال اب ہم اس منزل تک پہنچ گئے ہیں کہ سیرت نگاران اندلس کی ایک فہرست اور ان کا ضروری تعارف پیش کر سکیں۔

(<)

سیرت نگاران اندلس

شمارہ	نام (عربی/عربی/عربی)	ولادت	وفات	مکتوب / لغت / تاریخ / غیر
۱	ابن عبد ربیع - ابو عمار	۲۴۶ ۸۶۰	۳۲۸ ۹۴۰	العقد الفرید
۲	ابن حزم - ابو محمد علی بن ایوب	۳۸۲ ۹۹۲	۴۵۶ ۱۰۶۲	جوامع البیرونی
۳	ابن عبدالبر - ابو سعید بن عبد البر	۳۶۸ ۹۷۸	۴۶۲ ۱۰۷۵	الدرر فی اختصار المغازی والسیر
۴	ابن الرومی - قاضی ابوالاسود	۴۰۸ ۱۰۱۴	۴۸۶ ۱۰۹۶	شرح سیرت ابن ہشام
۵	الرشاطی - ابو محمد عبد اللہ	۴۶۶ ۱۰۷۲	۵۴۳ ۱۱۲۵	اقتباس من الذیارات والناس الاذکار
۶	قاضی عثمان ابو الفضل	۴۷۶ ۱۰۸۳	۵۴۲ ۱۱۴۹	کتابہ الشفاء
۷	ابن المقفی	-	۵۵۲ ۱۱۵۷	شمال الزوال السالم
۸	ابن بکلوالی ابو اسام	۴۹۲ ۱۱۰۱	۵۷۸ ۱۱۸۳	الزیبۃ الی رب العالمین
۹	السبیلی - ابو اسام ملازم	۵۰۸ ۱۱۱۴	۵۸۱ ۱۱۸۵	الروض الاثرف
۱۰	خُشنی - ابو زرعیہ	۵۳۵ ۱۱۴۱	۶۰۶ ۱۲۰۹	الاملاذ علی سیرت ابن ہشام

۱۱ - ابن دحیہ - ابو القاسم عمر بن ابراہیم	۵۶۲ ۱۱۵۰	۶۳۳ ۱۲۲۵	التوزیری مولود سراج المنیر بلخندہ (سنتہ)
۱۲ - الکلابی، سلمان بن مرثد	۵۶۵ ۱۱۵۰	۶۳۲ ۱۲۲۶	اللائقہ دینی حنازی رسول اللہ - بلخندہ
۱۳ - ابن سید الناس - فتح الدین ابو الفتح محمد بن محمد	۶۷۱ ۱۲۷۳	۷۳۲ ۱۳۳۲	(۱) عیون الابرار (ب) شعبۂ بشری اللیب شہید
۱۴ - ابن خلدون - ابو زید محمد	۷۳۲ ۱۳۳۲	۸۰۸ ۱۴۰۶	کتاب الجبر رورد مراکز ۷۳۲ ۷۳۲ ۷۳۲

مندرجہ بالا فہرست کے مطابق سیرت نگاران اندلس کے تعارف اور ضروری تفصیلات بیان کرنے سے پہلے فہرست کے عمیق تر مطالعہ و تجزیہ کے پیش نظر چند نکات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے :-

(۱) اس فہرست میں سیرت نگار کی حیثیت سے بعض نام موجب حیرت و استعجاب ہو سکتے ہیں - خصوصاً ابن عبد ربہ اور ابن حزم، جنکی علی العموم شہرت ادیب، شاعر، نثر نگار، متکلم، اور مصنف کی حیثیت سے تو بے لیکن تراجم و رجال کی قدیم و جدید تمام کتابوں میں ان کی سیرت نگاری کا کوئی حوالہ نہیں پایا جاتا بلکہ ابن عبد ربہ کو جتنا تقدم زمانی حاصل ہے اس باب میں وہ اسی قدر غیر معروف ہے - یہ صحیح ہے کہ اسکی شہرت و عظمت کی

اصل نقیب اسکی شاعری اور ادب ہے، اور المتنبی اسے „ملیح الاندلس“ کے نام سے یاد کرتا ہے اور اسکی سب سے اہم تالیف عربی ادب کی چوٹی کی کتابوں میں شمار ہوتی ہے (۶۳)۔ لیکن یہی کتاب اس کی سیرت نگاری کا بھی ثبوت ہے (تفصیل آئندہ صفحات میں) اور یہ بات بھی عام طور پر تسلیم شدہ ہے کہ ابن عبد ربہ کی توجہ کا خاص مرکز علم اور تاریخ تھا، دونوں میں اس نے درجہ استناد حاصل کیا اور اس کے معاصرین اس کو بلند پایہ محدث و مؤرخ کی حیثیت سے جانتے تھے (۶۳)۔ ابن حزم کی سیرت پر ایک مستقل تصنیف اور اس کے مخطوطہ کی اشاعت (مع مقدمہ ڈاکٹر احسان عباس) (۶۵) نہ ہوتی تو شاید کوئی ابن حزم کو سیرت نگار تسلیم نہ کرتا حالانکہ اس کی دوسری تصنیفات اور تحریروں سے بھی اسکی یہ حیثیت مترشح ہوتی ہے۔

(۲) سیرت نگاروں کی اس فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیرت نگاری کے علم و فن نے بڑے بھر پور انداز سے توسیع و ترقی کے مراحل طے کئے اور تمام پہلوؤں سے وہاں تنوع پایا جاتا ہے۔ زبان و بیان، اسالیب، طرز ادا، انداز ہائے تحریر جدا جدا، (سیرت کا) مواد اپنی کمیت اور کیفیت میں الگ، روایت و درایت کا اہتمام، صحت متن کا التزام، مختلف، ضخامت، ہیئت و ساخت اور مقبولیت و اثرات اور قبول عام و خاص میں بھی معاملہ یکساں نہیں رہا۔ پھر خود سیرت نگاروں کی شخصیات تنوع سے بھر پور ہیں۔ ان میں اہل الحدیث والائر (مثلاً ابن عبدالبر وغیرہ) بھی ہیں۔ اور جدت و ظاہریت کے قائلین (مثلاً ابن حزم وغیرہ) بھی، اہل الرائے، استدلال کے شیدائی، جرح و تعدیل کے شوقین بھی ہیں۔ اور ناقلین، شارحین اور محققین بھی، مناظر بھی ہیں، معتقد بھی، ادیب،

شاعر، متکلم، محدث، فقیہ، مؤرخ، نحوی، سب نے لکھا اور خوب لکھا یہاں تک کہ ان کی علمی مساعی، قلمی کاوشیں اور ذہنی صلاحیتیں صدیوں سیرت نگارانہ سرگرمیوں کو فروغ دیتی رہیں۔

(۳) یہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ سیرت نگاری کی روایت نے پہلے بلاد مشرق میں چڑ پکڑی، بعد میں یہاں اندلس میں۔ اس لئے اسلامی اندلس میں سیرت اور اس کے متعلقات پر لکھی جانے والی کتابوں میں بطور مآخذ ان تصانیف کو استعمال کیا گیا جو دیار و امصار مشرق میں برسوں سے معروف و متداول تھیں۔ اور علماء، محدثین اور اصحاب سیر کے درمیان جنکی روایت و سماعت کا سلسلہ جاری تھا (ہمارے تاریخی تجزیہ کی رو سے اندلس میں تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے دوران سیرت نگاری کی ابتدائی نشوونما ہوئی) اور اس وقت تک (موسیٰ بن عقبہ کی مغازی، سعید بن یحییٰ (اموی کی کتاب السیر، ابو داؤد سجستانی اور ابو جعفر احمد بن قتیبہ کی اعلام النبوة وغیرہ، تصنیفات وہاں پہنچ چکی تھیں) (۶۶)۔ سیرت رسولؐ کے بنیادی مآخذ میں سب سے زیادہ مقبول ہونے والی کتاب سیرة ابن ہشام ہے (۶۷) جو دراصل سیرت ابن اسحاق کا خلاصہ، اسکی تہذیب و تنقیح ہے)۔ سیرت نگاران اندلس کی فہرست کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسے اندلس میں بھی پر پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس مشہور ترین کتاب کی جو پانچ شرحیں مشہور و متداول ہیں۔ (۱) شرح امام سہیلی (م۵۸۱ھ)۔ ۲۔ شرح خشنی (م۶۰۶ھ)۔ ۳۔ شرح وقشی (م۴۸۹ھ)۔ ۴۔ شرح عینی (م۸۵۵ھ)، اور ۵۔ شرح صالحی (م۹۰۹ھ)۔ ان میں سے تین (یعنی زیادہ تر سیرت نگاران اندلس کے قلم سے ہیں یعنی :-

(۱) الروض الانف ، مشہور ترین اور محققانہ شرح امام سہیلی اندلسی مالقی (۵۰۸ - ۵۸۱) کی لکھی ہوئی ہے۔ خود سہیلی کے بیان کے مطابق یہ شرح انہوں نے ایک سو بیس کتابوں کی مدد سے لکھی تھی ۔

(ب) الاملاء علی سیرۃ ابن ہشام - اندلس کے مشہور عالم و ماہر عربیت ابو ذرخشنی (۵۳۵ - ۶۰۶) کے قلم سے ہے ۔

(ج) تنبیہات ابن الوقشی - قاضی ابو الولید ہشام بن احمد وقشی طلیطلی (۳۰۸ - ۳۸۹) - پانچویں صدی ہجری کے مشہور اندلسی عالم - حدیث و فقہ . کلام و منطق ، اور شعر و انساب پر زبردست عبور تھا (قاضی ابو الولید نے سیرت ابن ہشام کی روایت اپنے شیخ ابو عمر احمد بن محمد طلعمنکی سے کی تھی) - (۶۸)

۱ - ابن عبدربہ (۲۳۶ - ۳۲۸)

پورا نام ، نسب کنیت یہ ہے۔ ابو عمر احمد بن محمد بن عبدربہ بن حبیب بن حدیر بن سالم القرطبی، مولیٰ ہشام بن عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان بن الحکم (۶۹) . لیکن تاریخ میں شہرت ابن عبدربہ کے نام سے ملی - ولادت قرطبہ میں رمضان ۲۳۶ ھ / ۸۶۰ء میں ہوئی اور وفات بھی قرطبہ میں جمادی الأول ۳۲۸ ھ / ۹۳۰ء میں ہوئی (۷۰) - وہیں پلا بڑھا - سماعت حدیث بقی بن مخلد ، ابن وضّاح اور الخشنی سے کی . الحمیدی نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسکی علمی جلالیت ، ریاست ادب کی بادشاہت ، دیانت و صیانت کے ساتھ شہرت پر سب متفق ہیں - (۷۱) اُس کی مشہور ترین کتاب ،،العقد الفرید،، ہے ، جو ابن خلکان کے نزدیک تمام چیزوں (معلومات) پر حاوی ہے اور جس

سے ہر ایک متمتع ہو سکتا ہے۔ (۷۲) اہل علم کے یہاں یہ کتاب ہمیشہ سے عربی ادب و بیان ، اور اسلامی تاریخ کے ایک قدیم مآخذ کی حیثیت سے معروف رہی ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک سیرت ، متعلقات سیرت اور سیرت نگاری کے حوالہ سے بھی یہ ایک اہم مآخذ ہے۔ اور اسلامی اندلس میں سیرت نگاری کے ابتدائی دور کی نمائندہ ہے۔

العقد الفرید بڑے سائز کی ایک ضخیم کتاب ہے ، جو تین جلدوں میں تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے (۷۳)۔ مصنف نے اس کتاب کو ۲۵ ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب کی فصلیں الگ ہیں ، مختلف علوم و آداب کے ساتھ ساتھ تاریخ و سیر کا مواد مختلف مقامات پر بکھرا ہوا ہے ، جسے مجموعی طور پر سادگی ، اختصار ، اور سلیقہ سے بیان کیا گیا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں معلومات کے جو لعل و گہر لٹائے ہیں اسی کے پیش نظر ابواب و فصول کو یاقوت ، زبر جد ، زمرد وغیرہ سے موسوم کیا ہے۔

جہاں تک سیرت اور متعلقات سیرت کا تعلق ہے تو اس کا مواد بھی ایک جگہ نہیں پایا جاتا بلکہ جگہ جگہ ابواب و فصول میں بکھرا ہوا ہے۔ اور اگر سیرت کے تمام مواد کو ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کیا جائے تو مناسب ضخامت کی ایک مربوط کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ چنانچہ تاریخی ترتیب کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مثلاً (کتاب الدرۃ الثانیۃ فی ایام العرب وقالہا) (۷۴) کے تحت ابن عبد ربہ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ عرب جاہلیت کا تاریخی پس منظر کہا جا سکتا ہے ؛ جسے ظاہر ہے کہ واقعات سیرت کے فہم میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مثلاً حروب قیس فی الجاہلیۃ (ص ۶۰) حرب داحس وغیراء (ص ۶۷) حرب قیس و کنانہ (ص ۷۷) ، یوم ذی قار اول (ص ۹۲) ایام الفجار الاول (ص ۱۰۸) ثانی (ص

(۱۰۹) ثالث (ص ۱۰۹) اور یوم ذی قار (ص ۱۱۳) وغیرہ۔ اسی طرح جزو ثانی میں نسب و فضائل عرب کا بیان (۵) جو اصل و نسب قریش و اہل قریش، قریش الظواہر اور بطون، اور فضل بنی ہاشم وغیرہ (ج ۲ ص ۳۳ تا ۳۸) کے بیان پر مشتمل ہے۔ پھر ولادت نبوی، رضاعت، آپ کی صفات و خصوصیات عالیہ، خاندان، آباء، اعمام، ازواج، خدام وغیرہ (ص ۲۳۵ تا ۲۳۸)، نیز آپ کے توقیعات، فرامین، مکتوبات (ص ۲۰۰) اور خطبات مع خطبہ حجة الوداع (ج ۲ ص ۱۵۷) وغیرہ۔ اور وفات کا بیان۔ عنوانات کی اس فہرست کو دیکھ کر ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ابن عبد ربہ نے سیرت نبوی اور اس کے واقعات و حالات کو قرار واقعی اہمیت دی ہے۔ اور اسی لئے وہ بجا طور پر اس بات کا مستحق ہے کہ اسے سیرت نگاران اندلس میں شمار کیا جائے، اور اس اعتبار سے اسے ایک گونہ فضیلت دی جائے کہ اُس نے اپنے بعد آنے والوں کی دشواریاں آسان بنا دیں۔ اور یہ سبق دے گیا کہ ایک آزاد کردہ غلام کا بیٹا بھی سلطنت علم و ادب کا تاجور بن سکتا ہے۔

۲۔ ابن حزم (۳۸۳ - ۴۵۶)

ابن حزم کا پورا نام و نسب یہ ہے: ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم بن غالب بن صالح بن خلف بن معدان بن سفیان بن یزید (۶)۔ رمضان ۳۸۳ ہ۔ / نومبر ۹۹۳ء میں قرطبہ میں آنکھیں کھولیں۔ اور شعبان ۴۵۶ ہ۔ / اگست ۱۰۶۳ء میں وفات پائی (۷)۔ اندلس کے ایک ذی وجاہت خاندان کے چشم و چراغ، والد صاحب علم ادیب، انشا پرداز تھے۔ انھوں نے صالح ابوالحسین بن علی خامسی کو ابن حزم کا اتالیق و سرپرست مقرر کیا۔ ابن حزم نے مختلف علوم و فنون میں بہت جلد حیرت انگیز مہارت پیدا کر لی (۸)۔

جب کہ تفسیر حدیث ، کلام فلسفہ ، تاریخ ، تقابل ادیان ، اور سیر و اخبار میں انہیں اختصاص حاصل ہے۔ ابتداً شافعی تھے۔ پھر ظاہری ہو گئے۔ (۸۱) حافظہ غیر معمولی ، تصانیف بے شمار تھیں۔ کم از کم چار سو چنانچہ ، اُن کے صاحبزادے کا بیان تھا کہ باپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چار سو مجلدات ان کے پاس ہیں۔ (۸۰)

ابن حزم کی پوری زندگی نشیب و فراز سے بھر پور ہے۔ ہر طرح کا اعزاز و اکرام بھی ملا، بڑے سے بڑے عہدہ پر بھی پہنچے مثلاً تخت وزارت پر بھی متمکن رہے اور جیل کی ہوا بھی کھائی، کئی بار معزولی ، قید و بند ، جلاوطنی ، ہجرت مکانی کے مراحل سے گزرے ، یہاں تک کہ سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے علم و تحقیق ، بحث و مذاکرے ، تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے ، علمی میدان میں بھی داد و بیداد سے متمتع ہوئے ، معاندین و مخالفین نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ مناظرے مناقشے بھی ہوئے اور ان کی تصانیف کو نذر آتش بھی کیا گیا (۸۱) لیکن اجتہاد فکر و نظر سے دستبردار نہیں ہوئے البتہ انکی تحریروں پر نکتہ چینی زیادہ تر انکی وفات کے بعد کی گئی (۸۲)۔ ابن حزم زندگی بھر جن حالات سے گزرے ، اور جیسی کچھ قوت مشاہدہ ، انہیں حاصل تھی اور جن علوم و فنون پر انہیں عبور و مہارت حاصل تھی اس وجہ سے ان کی تحریر بھی تیغ برآں بن گئی (۸۳)۔ ابن عریف نے ابن حزم کے قلم کو حجاج کی تلوار سے تشبیہ دی ہے۔ (۸۴)

سیرت نگار کی حیثیت سے اُن کی سب سے اہم یادگار اور کتاب جوامع السیرة ہے اور ہمارے نزدیک اس کا شمار اسلامی اندلس میں سیرت نگاری کے دور عروج کی تصنیفات میں کرنا چاہیئے۔ اگرچہ اس عہد عروج کے دائرہ میں پانچویں اور چھٹی صدی ہجری داخل ہے

اور اس کے متعدد نمائندہ اراکین ہیں (مثلاً جن میں سے ایک اُن کے ہم عصر اور استاد علامہ ابن عبدالبر بھی ہیں) (۸۵) تاہم ابن حزم انمیں بھی متعدد اعتبار سے خصوصی اہمیت و انفرادیت رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں تفصیلات تو خود ابن حزم کی کتاب اور اس پر ڈاکٹر احسان عباس کے فاضلانہ مقدمہ میں دیکھی جا سکتی ہیں یا اُس مقدمہ کے اردو ترجمہ و تعارف پر مبنی اجمل اصلاحی کے مضمون میں، لیکن بطور خلاصہ ان دونوں سے استفادہ کرتے ہوئے چند پہلوؤں کی نشاندہی مناسب ہو گی۔ جوامع السیرة مجموعی طور پر مختصر مگر جامع ، زبان و بیان میں واضح ، کلیدی مباحث پر مشتمل، حشو و زوائد سے پاک، ضروری مواد پر مشتمل ہے۔ ابن حزم دقت نظر، دیدہ ریزی ، غور و فکر اور موازنہ کے بعد صحیح روایت کا انتخاب کرتے ہیں ، انکا لہجہ قطعی اور فیصلہ کن ہے جو شک و ریب ، تکرار الفاظ ، مبالغہ آمیزی سے مبرا ہے۔ ان کی علمی تحقیق بڑی حد تک غیر جانبدارانہ ، تعصب سے پاک اور دیانت دارانہ ہوتی ہے۔ تاریخوں کے تعین میں وہ سخت محتاط ہیں۔ دوسروں کی تاریخی غلطیوں کی اصلاح ، غلط فہمیوں کی تردید میں تکلف نہیں برتتے۔ ہجری تقویم کے بارے میں انکی مخصوص رائے ہے ، ان کے نزدیک ہجری تقویم کا پہلا مہینہ ربیع الاول ہونا چاہئیں نہ کہ محرم، وہ اپنے علم ، تجربہ ، وسعت معلومات اور ظاہری مسلک ، ذہنی و فکری اجالے کے سبب کتاب میں جگہ جگہ جدت و ندرت کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں (۸۶) لیکن اپنی رائے کو کسی پر ٹھونسنا مناسب نہیں سمجھتے۔

ابن حزم کی سیرت نگاری کا یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ وہ ذکر و اذکار سیرت سرسری انداز سے نہیں کرتا نہ محض ثواب کی نیت سے نہ برائے بیت ، بلکہ اس کی علی وجہ البصیرت نشر و اشاعت کرتا ہے

جسمیں مقصدیت پنہاں ہے۔ شاید یہ رویہ اس وجہ سے بھی ہو کہ وہ ایک اصولی اور فقیہ ہے۔ بہر حال سیرت نبوی کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا، اسکی طلب و جستجو بیدار کرنا اور اسکی تحصیل و اشاعت پر آمادہ کرنا معمولی کام نہیں۔ وہ حضور کے اسوۂ حسنہ کو معیار اخلاق ٹھہراتا ہے (۸۷) جن فقہی جزئیات کی بنیاد قرآن و حدیث پر نہیں، رد کر دیتا ہے (۸۸)۔ اور لوگوں کو قرآن و سنت کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتا ہے۔ اور وہ بھی بر بنائے خلوص۔ الحمیدی نے اپنے ہاں ابن حزم کے جو چند اشعار نقل کرے ہیں (۸۹) انمیں گیرائی و گہرائی بھی ہے، حقیقت حال کا عکس بھی، اپنی ناقدری، زمانہ کی بے مہری کا کرب بھی ہے اور اظہار مدعا بھی، ہاں لب و لہجہ، الفاظ کا پیکر تو ظاہر ہے ابن حزم نے تراشا ہے

انا الشمس فی جوّ العلوم منيرة

ولکن عیسیٰ ان مطلعی الغرب

ولوانتی من جانب الشرق طالع

لجد علی ماضع من ذکری النہب

معانی من الدین علوم ابنا

وأنشرها فی کل باد و حاضر

دعاء الی القرآن و السنن التی

تناسی رجال ذکرها فی المحاضر

ابن حزم کی سیرت نگاری کے حوالہ سے جوامع السیرة کے علاوہ اس کی بعض دوسری نگارشات بھی بڑی وقیع ہیں مثلاً حجة الوداع کے موضوع پر ایک الگ مستقل کتاب، جسمیں نہ صرف یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجة الوداع کا ذکر ہے بلکہ اس کے ضمن میں مختلف غلط فہمیوں کا ازالہ، دعاوی کا ابطال اور روایات کا تنقیدی

مطالعہ بھی شامل ہے (۹۰)۔ علاوہ ازیں وہ پانچ رسائل جو جوامع السیرة کے ساتھ بطور ملحقات شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے کم از کم دو رسالوں یعنی (أ) اسماء الصحابة الرواة اور (۹۱) (ب) اصحاب الفتيا من الصحابة ومن بعدهم (۹۲) کو متعلقات سیرت میں شامل نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس موقع پر فقہ الحدیث کی رعایت سے اسکی ضخیم کتاب کتاب الایصال الی فہم کا نام بھی لیا جا سکتا ہے (۹۳) جو ایک معنی میں مطالعہ سیرت کا ہی لازمہ ہے۔ مختصر یہ کہ ابن حزم کے علمی کارنامے اسے بجا طور پر سیرت نگاران اندلس کی صف میں اعلیٰ مقام پر فائز کرتے ہیں۔

۳۔ ابن عبدالبر (۳۶۸ - ۳۶۳)

نام و نسب : ابو عمر ، یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ النمیری القرطبی - (۹۳) ولادت قرطبہ میں ۳۶۸ ھ (۹۷۸ء) میں اور وفات ۳۶۳ ھ (۱۰۷۰ء) کو شاطبہ میں ہوئی - (۹۵) زمانہ وہی خلافت اموی اندلس کا زوال اور ملوک الطوائف کا عروج - حالات خراب ہوئے تو بظلیوس منتقل ہو گئے جہاں بنوالافطس کی حکومت تھی - مختلف اوقات میں بلنسیہ ، دانیہ اور شاطبہ میں قیام رہا - المظفر بن الافطس کے عہد میں اشبونہ اور شنترین کے قاضی رہے - ان کے سوانحی خاکہ میں یہ بات خاص الخاص ہے کہ ابن عبدالبر نے (تحصیل علم وغیرہ کیلئے کبھی) اندلس سے قدم باہر نہیں نکالا (۹۶) بلکہ تمام علوم و فنون ، تفسیر ، و قرأت ، حدیث و فقہ ، تاریخ و معازی اور اخبار و انساب وغیرہ کی تعلیم اندلس کے ہی اکابر شیوخ و اساتذہ (۹۷) (جنکی فہرست کافی طویل ہے) سے پائی - لیکن کچھ ہی عرصہ میں علم و فضل میں وہ کمال حاصل کیا کہ فقہ ، حدیث و اثر اور رجال کے باب میں تمام متقدمین و متأخرین علماء پر بازی لے

گئے۔ اُن کی تصانیف بھی کثرت سے ہیں جو سب کی سب مفید اور مستند ہیں۔ ان کی ،،التمهید لما فی الموطا من المعانی الاسانید،، جیسی کتاب بقول ابن خلکان کوئی نہیں (اس کی ستر جلدیں/ حصے تھے۔ ہو کتاب لم يتقدمه احد إلى مثله و هو سبعون جزء) (۹۸) اور ابن حزم جیسے امام مجتہد اور (ابن عبدالبر کے) شاگرد کا قول ہے کہ حدیث میں ابن عبدالبر جیسا کوئی عالم پورے اندلس میں نہیں مل سکتا۔ ابن بشکوال کی رائے ہے ،، اپنے دور کے امام اور یکتائے روزگار تھے۔ حصول علم میں بڑی جانفشانی کی اور مختلف النوع علوم میں ایسی مہارت پیدا کی کہ اپنے پیشرو اندلسی علماء پر فوقیت حاصل کر لی۔ ابن سعید نے الحجاری سے نقل کیا ہے کہ وہ روایت حدیث اور علم شریعت میں بلا استثنیٰ ،، امام الاندلس ،، کا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ سب پر سبقت لے گئے۔ ان کی تصنیفات خود انکی عظمت کی گواہ ہیں، کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ (۹۹)۔

ایک زبردست عالم ، فقیہ ، محدث اور ماہر علوم شرعیہ ہونے کے علاوہ ابن عبدالبر ، ایک مستند و معتبر سیرت نگار بھی تھے اور سیرت نگارانہ سرگرمیوں میں اشتغال و انہماک کے سبب ہی چمن زار سیرت نگاری میں انہیں گل سرسید کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ ہمارے نزدیک سیرت نگاران اندلس کے بہترین نمائندہ اور عروج سیرت نگاری کی دلیل اعظم ہیں۔

سیرت نگاری کے ضمن میں اگرچہ ابن عبدالبر کی متعدد تحریروں کو شامل کیا جا سکتا ہے تاہم سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر انکی ایک مستقل تصنیف ،،الدرر فی اختصار المغازی والسير،، کے نام سے موجود ہے۔ یہ کتاب کچھ عرصہ پہلے ایک مصری عالم و محقق ڈاکٹر شوقی ضیف کی تحقیق اور مقدمہ کے ساتھ (المجلس الاعلیٰ للشؤون الاسلامیة) مصر سے (۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء میں) شائع

ہو چکی ہے۔ اور ہمارے سامنے ہے (۱۰۰)۔ اس میں تین سو کے قریب (۲۸۸) صفحات ہیں گویا معقول حد تک ضخیم ہے۔

علامہ ابن عبدالبر نے الدرر کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ : ,,اس کتاب میں ، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ، عہد رسالت کے ابتدائی حالات ، غزوات اور ان میں آپ کے طریق عمل کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا ہے ، اس لئے کہ آپ کی ولادت ، پرورش اور اہم واقعات کا ذکر صحابہ کے حالات پر اپنی کتاب کے شروع میں کر چکا ہوں ، یہ کتاب صرف بعثت اور اس کے بعد کے بقیہ حالات کے لئے لکھی ہے ... اسکی ترتیب مکمل طور پر ابن اسحق کی طرز پر ہے۔ آپ کے غزوات اور جہاد کے ذکر میں جو بات میرے پیش نظر رہی ہے وہ یہ کہ اختصار سے کام لیا جائے ، واقعہ آسانی سے ذہن نشین ہو جائے اور حشو و زوائد اور مختلف بحثوں کو گڈ مڈ کرنے کے بجائے صرف اہم اور نمایاں باتوں کے بیان پر اکتفا کیا جائے ,, (۱۰۱)۔ ڈاکٹر شوقی ضیف کے بقول ابن عبدالبر کا مقصد سیرت نبوی پر ایک مختصر ، تصنیف پیش کرنا تھا (۱۰۲)۔ نیز وہ لکھتے ہیں - ,,ابن عبدالبر نے جب دیکھا کہ سیرت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں غیر ضروری اور غیر متعلق مباحث پائے جاتے ہیں تو انہیں خیال ہوا کہ وہ صرف آبدار موتیوں کو چن لیں ,, (۱۰۳)۔

مندرجات کے مطابق ,,باب من خبر مبعثہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب الدرر کا آغاز ہوتا ہے (۱۰۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ ماقبل بعثت حیات مطہرہ کا بیان شامل ہوا نہیں - اس کی توجیہ خود ابن عبدالبر اپنے مقدمہ میں کر چکے ہیں - ڈاکٹر شوقی اپنے مقدمہ میں رقمطراز ہیں : ,,جہاں تک بعثت سے قبل کے حالات کا تعلق ہے تو ان کا ذکر اس سے پہلے اپنی دوسری کتاب الاستیعاب فی معرفۃ

الاصحاب کے شروع میں کر چکے تھے اور یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ - (۱۰۵)

بہر حال بعثت نبوی سے وفات نبوی کے دوران تقریباً تمام اہم واقعات سے حضرت علامہ نے تعرض کیا ہے۔ اور بعض امور کی خوب وضاحت کر دی ہے مثلاً (عام الوفود ۹ ھ میں خدمت اقدس نبوی میں فود کی حاضری)۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ ،،جب اللہ نے آپ کو مکہ المکرمہ کی فتح سے سرفراز فرما دیا ، نیز حنین میں غلبہ عطا فرما دیا اور آپ نے تبوک سے مراجعت فرمائی اور بنو ثقیف داخل اسلام ہو گئے تب سر زمین عرب کی ہر جانب سے وفود کی آمد ہوئی اور یدخلون فی دین اللہ افواجا (لوگ ہر طرف سے اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے) کا عملی مظاہرہ سامنے آ گیا ، - (۱۰۶) اسی طرح مثلاً حجة الوداع کے سلسلہ میں بظاہر بہت معمولی سی وضاحت لیکن درحقیقت بہت اہم بات یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ماہ میں حج آخر ادا فرمایا وہ ذی الحجہ کے ہی بالمقابل تھا اور اسی مناسبت سے حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ ان الزمان قد استدار (۱۰۷) -

الدرر میں بعض واقعات سیرت کے حوالہ سے جدت و ندرت اور کچھ منفرد خیالات بھی پائے جاتے ہیں - بقول ڈاکٹر شوقی یہ خیالات چونکہ فقہ و حدیث کے ایک بلند پایہ اور جلیل القدر عالم کے ہیں اس لئے عام اور مشہور رائے سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں انکا بڑا وزن ہے مثلاً اول اول اسلام و ایمان کا اقرار کرنے والوں میں حضرت عائشہ کا شمول ، رمضان کے روزوں کی فرضیت ۱ ھ میں ، خیبر کی فتح مکمل جنگ کے نتیجہ میں وغیرہ وغیرہ (۱۰۸)

علامہ ابن عبدالبر نے الدرر میں سیرت نگاری کے جو سنگ ہائے میل قائم کئے وہ دوسرے رہ نوردان شوق کے لئے قطع مسافت کو خوشگوار بنا گئے۔ یہاں تک کہ ہم عصر مشاہیر اور صدیوں بعد آنے والے مصنفین، دونوں نے ابن عبدالبر سے استفادہ کرنے اور انکی تحریروں سے خوشہ چینی میں تکلف نہیں برتا۔ مثلاً ڈاکٹر شوقی کے بقول، ابن حزم نے اپنی کتاب جوامع السیرة میں روشنی،، الدرر، سے ہی حاصل کی، (۱۰۹) معمولی تصرف سے متعدد عباراتیں شیخ کی کتاب سے نقل کیں اور انکے بہت سے خیالات اور تحقیقات کی بھی خوشہ چینی کی ہے (۱۱۰) مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعری کو مہاجرین حبشہ میں شمار کرنا ابن عبدالبر کے نزدیک درست نہیں (۱۱۱) اسی طرح ابن سید الناس (م ۲۳۳ھ) مصنف عیون الاثر فی فنون المغازی والشمال والسير،۔ ابن سید الناس کی سیرت میں بھی، جیسا کہ ڈاکٹر شوقی نے لکھا ہے ابن عبدالبر کے اقتباسات غیر معمولی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ (۱۱۲) سیرت ابن عبدالبر کے محقق و مرتب کی حیثیت سے وہ مزید لکھتے ہیں کہ،، اس کثرت سے ابن عبدالبر کے اقتباسات نقل کرنے کی وجہ سے سیرت ابن سید الناس کتاب الدرر.... کا تقریباً ایک نسخہ بن جاتی ہے۔ ہم نے ایک سے زیادہ مقامات پر اسکی مدد سے متن کی تصحیح کی ہے، خلا کو پر کیا ہے اور کاتب نے بعض جگہوں پر تصحیف و تحریف کے جو گل کھلائے تھے انہیں درست کیا ہے۔“ (۱۱۳)

۴۔ ابن الوقشی (۴۰۸ - ۴۸۹ھ)

نام و نسب یہ ہے :

ہشام بن احمد بن ہشام بن خالد بن سعید ابو الولید الکاتب المعروف بابن الوقشی (۱۱۳)۔ علاقہ ابن حجر انکو،، الباجی، لکھتے

ہیں (۱۱۵)۔ جبکہ السیوطی، „من اهل طليطله“۔ (۱۱۶) ۳۰۸ھ/۱۰۱۷ء میں ولادت اور ۳۸۹ھ، ۱۰۹۶ء میں بمقام دانیہ وفات ہوئی (۱۱۷) ابو عمر الظلمنکی، ابو عمر السفاقسی، اور ابو عمر بن الحداد (وغیرہ) جیسے علماء سے تعلیم پائی۔ منصب قضاء تک پہنچے، لغت، نحو، معانی، اشعار، عروض اور کتابت، لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے (کان من اعلم الناس) (۱۱۸)۔ ابوالقاسم صاعد کا بیان ہے کہ اپنے وقت کے انتہائی باکمال اشخاص میں سے ایک تھے۔ علوم و فنون کے ماہر، کلیات العلوم پر نظر رکھتے والے قاضی عیاض کے مطابق حافظہ و یادداشت انتہائی قوی، مہارت و اتقان نمایاں تھا۔ (۱۱۹) تاریخ و ادب کے کبار مصنفین پر انہوں نے تنبیہات و استدراکات تحریر فرمائے۔ چنانچہ سیرت ابن ہشام کی بھی شرح لکھی اور، „تنبیہات ابن الوقشی“ کے نام سے مشہور ہوئی۔ قاضی ابوالولید نے سیرت ابن ہشام کی روایت اپنے شیخ ابو عمر احمد بن محمد ظلمنکی سے کی تھی (۱۲۰)۔ خیالات کے اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ معتزلہ سے متاثر تھے جیسے کہ ان کی تصنیف، „القدر و القرآن“ وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے (۱۲۱)۔ بہر حال ان کی سیرت نگارانہ سرگرمیوں کا ثبوت شرح ابن ہشام سے بخوبی مل جاتا ہے۔ تاہم مختصر فی الفقہ، الرسالة المرشدة اور نکت الکامل للمبرد ان کی یادگار ہیں۔ (۱۲۲)

۵۔ الرشاطی (۳۶۶ - ۵۳۲)

ابو محمد عبد اللہ بن علی بن عبد اللہ بن خلف بن احمد بن عمر اللخمی المعروف بالرشاطی الاموی الاندلسی متوطن المریہ (۱۲۳)۔ ولادت ۳۶۶ھ/۱۰۷۳ء میں مواضات مرسیہ میں اور وفات ۵۳۲ھ/۱۱۲۷ء میں المریہ میں ہوئی (۱۲۳)۔ حدیث، رجال، رواة والتواریخ میں

شہرت حاصل کی۔ سیرت اور متعلقات سیرت کے باب میں ان کی کتاب کا نام ہے : ,,اقتباس الانوار والتماس الازہار فی انساب الصحابة و رواة الآثار,, (۱۲۵)۔ اس کتاب میں نواب ذوالقدر جنگ کے مطابق صرف ان لوگوں کا ذکر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتے تھے۔ کتاب میں ان صحابہ کے حالات مع شجرہ کے لکھے ہیں۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ الرشاطی بوقت درس کتاب کے مضمون کو کمال محنت سے اپنے شاگردوں کے ذہن نشین کرا دیا کرتے تھے (۱۲۶) علامہ ذہبی اسے ایک جامع کتاب (کتاب الحاوی) قرار دیتے ہیں (۱۲۷)۔

۶۔ قاضی عیاض (۴۷۱ - ۵۴۳ ھ)

پورا نام و نسب یہ ہے : القاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمر بن موسیٰ بن عیاض بن محمد موسیٰ بن عیاض الیحصبی السبئی - (۱۲۸)۔ ولادت بمقام سبۃ ۴۷۱ ھ ، ۱۰۸۳ء اور وفات بمقام مراکش ۵۴۳ ھ / ۱۱۳۹ء میں ہوئی۔ علم حدیث اور اس کے علوم میں اپنے وقت کے امام ، اور نحو و لغت ، کلام عرب ، ان کی تاریخ اور انساب میں یکتائے عصر تھے۔ (۱۲۹) کتاب الشفاء کے علاوہ مختلف علوم میں ان کی ۳۰ مؤلفات یادگار ہیں (۱۳۰)۔ تمام تصانیف مفید ، نئی نئی معلومات پر مشتمل۔ (فکل توالیفہ بدیعة) جنکا ذکر ابن بشکوال نے کتاب الصلة میں بہ تفصیل کر دیا ہے۔ علم میں یقین ، بصیرت اور گہرائی ، ذہانت و فطانت ، فہم و ذکاوت سے مالا مال تھے۔ مدتوں سبۃ میں قاضی رہے ، نیز غرناطہ میں بھی (۱۳۱)۔ ملا علی قاری اپنی شرح شفا کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں : ” وہ وحید زمانہ اور یکتائے عصر تھے “ (۱۳۲)۔

حدیث و متعلقات حدیث و سیرت کے باب میں اگرچہ متعدد تصانیف مشہور و معروف ہیں (مثلاً ترتیب المدارک و تقریب

المسالک فی ذکر فقہاء مالک، شرح حدیث ام زرع، مشارق الانوار، اور اكمال العلم فی شرح مسلم وغیرہ) لیکن سیرت نگاری کے حوالہ سے ان کی بہترین تصنیف اور انہیں شہرت عام اور بقائے دوام بخشنے والی کتاب کا نام ہے : کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ، فقہا ، محدثین ، مؤرخین اور اصحاب سیرت کے نزدیک اسے ہمیشہ سے ایک اہم مآخذ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے : ،،وہو کتاب عظیم ، النفع کثیر الفائدة لم یؤلف مثله فی الاسلام شکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ سعی مولفہ وقابلہ برحمته و کرمہ ،، - (۱۳۳)

الشفاء کا اختصار الشیخ محمد بن احمد الدسنوی الشافعی (م ۶۳ھ) نے لکھا اور اسکی شروح تو لاتعداد لکھی گئیں جنکا شمار بھی مشکل ہے۔ حاجی خلیفہ نے تعلیقات و شروح کی جو تفصیل دی ہے ، وہ کشف الظنون کے کم از کم پانچ بڑے صفحات پر پھیلی ہوئی ہے (۱۳۳)۔ کتاب الشفا کی دو شرحیں انتہائی معروف و متداول ہیں۔ ایک علامہ احمد شہاب الدین الخفاجی (م ۱۰۶۹ ھ) کی نسیم الریاض فی شرح الشفا القاضی عیاض اور دوسری علامہ علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی قاری م ۱۰۱۳ ھ) کی، جو اول الذکر (نسیم الریاض مطبوعہ المطبعة الازهریة المصریہ ۱۳۳۵ ھ و بہامتہ شرح الشفا لعلی القاری) کے حاشیہ کی زینت ہے۔ اور ہمارے سامنے ہے۔

شفا کا مآخذ ، بقول ایک مصنف شفاء ابن سبع ہے۔ اسمیں بعض ضعیف حدیثیں بھی آ گئی ہیں۔ سیوطی نے انکی نشاندہی کی اور ایک مستقل کتاب بھی (مناہل الصفا فی تخریج حدیث الشفاء) لکھی (۱۳۵)۔ بنیادی طور پر کتاب الشفاء کے چار حصے/فصلیں ہیں۔

اولاً اللہ کی جانب سے قول و فعل کے ذریعہ حضور کے مرتبہ کا اظہار (اسمیں چار باب ہیں) ثانیاً نبی کریم کے وہ حقوق جو عام مخلوق پر واجب ہیں (اسمیں بھی ۳ باب ہیں) ثالثاً حضور کے لئے جو امور جائز ہیں اور جو امور ممتنع ہیں، (اسمیں دو باب ہیں) رابعاً حضور کی شان میں تنقیص کرنے، گالی بکنے کا حکم - (اسمیں تین باب ہیں) (۱۳۶)۔ بہر حال بقول ابن فرحون (م ۹۹ھ) کتاب الشفاء کی اپنی نوعیت و انفرادیت ایسی ہے جسکے بارے میں کوئی اختلاف نہیں اور اس انفرادیت ہی کے سبب یہ مشرق و مغرب میں مقبول نام ٹھہری ہے (۱۳۷) لسان الدین خطیب تلمسانی کا شعر ہے (۱۳۸) :

شفاء عیاض للصدور شفاء

ولیس للفضل قد حواه خفاء

< - ابن المقدمی (م ۵۵۲ھ)

علامہ ابن المقدمی غرناطی کی کتاب کا نام „شمانل النور الساطع“ ہے۔ اس کتاب تک خاکسار راقم الحروف کی رسائی نہیں ہو سکی۔ اور ندیم الواجدی کے مضمون „سیرت نگاری کے بعض اہم پہلو“ میں ہی اسکا حوالہ مذکور ہے۔ دوسری تفصیلات کا علم نہیں ہو سکا۔

۸ - ابن بشکوال (۳۹۳ - ۵۷۸)

ابوالقاسم خلف بن عبدالملک بن مسعود بن بشکوال بن یوسف بن داہہ بن داہہ ... القرطبی۔ ولادت ۳۹۳ھ میں اور وفات ۵۷۸ھ میں ہوئی اور تدفین مشہور محدث و فقیہ یحییٰ بن یحییٰ کی قبر کے پاس ہوئی۔ (۱۳۰) اندلس کے مشاہیر میں ہیں اور اپنی کتاب الصلة (جو ۵۳۳ھ کی لکھی ہوئی ہے) کے لئے مشہور ہیں جو دراصل ابن

الفرضی کی کتاب کا ذیل ہے۔ (۱۳۱) تاہم ایک محدث اور مورخ ہونے کی حیثیت سے ان کی متعدد دوسری تصانیف بھی اہمیت رکھتی ہیں (۱۳۲) ابن فرحون کے مطابق مختلف علوم و فنون میں انہوں نے تقریباً ۵۰ کتابیں لکھیں جن میں سے کتاب الغوامض والمبہمات (۱۲ جلدیں) بھی شامل ہے (۱۳۳) ، تاہم سیرت نگاری کے حوالہ سے ،، القربة الى رب العالمين في فصل الصلوة على سيد المرسلين ،، (۱۳۳) کو یقیناً قابل ذکر قرار دیا جا سکتا ہے۔

۹۔ السہیلی (۵۰۸ - ۵۸۱)

نام و نسب شجرہ یہ ہے : ابو القاسم و ابو زيد عبدالرحمن بن الخطيب ابی محمد عبدالله بن الخطيب ابی عمر احمد بن ابی الحسن اصبع بن حسين بن سعدون بن رضوان بن فتوح (و هو الداخلى الى الاندلس) الخنعمی السہیلی الامام المشہور (۱۳۵)۔ ولادت مالقہ میں ۵۰۸ھ میں اور وفات مراکش میں ۵۸۱ھ میں ہوئی (۱۳۶)۔ علامہ ذہبی کی رائے ہے۔ النحوی الحافظ العلم صاحب التصانیف (۱۳۷)۔ متعدد تصانیف کے باوجود اصل شہرت سیرت ابن ہشام کی شرح ،،الروض الانف ،، کی وجہ سے ہے اس لئے ،،صاحب کتاب الروض الانف ،، انکے تعارف کا لازمی حصہ بن گیا ہے۔ سیرت ابن ہشام کی تمام شروح میں سب سے زیادہ مشہور ، متداول ، جامع اور محققانہ ہے۔ خود سہیلی کے اپنے بیان کے مطابق ان کی اپنی ذاتی تحقیق کے علاوہ ایک سو بیس کتابوں کا عطر اسمیں موجود ہے اور وہ علم و ادب ، اسماء الرجال و انساب ، اور فقہی و نحوی معلومات کا خزانہ ہے۔ (۱۳۸)

،،الروض الانف ،، دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اول ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اسمیں مقدمہ کے علاوہ ہجرت تک واقعات و حالات سیرت سے بحث موجود ہے ، جبکہ دوسری جلد ۳۸۰

صفحات پر مشتمل ہے اور آغاز،، ہجرت النبی الی المدینة بصحبة ابی بکر،، (ص ۲) سے ہوتا ہے، حدیث الفار (ص ۳) تاسیس مسجد قبا (ص ۱۱) اول خطبہ رسول اللہ بالمدينة (ص ۱۵) سے لیکر غزوات، قدم الوفود، حجة الوداع اور وفاة نبوی (ص ۳۶۸) اور تجهیز و تکفین (ص ۳۷۳) تک کا ذکر ہے۔ اس شرح کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسے علامہ سہیلی نے استخارہ کرنے کے بعد شروع کیا (مقدمہ ص ۳) اور املا محرم (۵۶۹ھ) میں شروع کر کے اسی سال جمادی الاولیٰ میں یعنی چار پانچ ماہ کی مدت میں ختم کر دی (ایضاً)، اس شرح میں ایسی معلومات ملتی ہیں جو خود اصل کتاب میں نہیں پائی جاتیں۔ اسی لئے بعد کے مصنفوں نے سیرت نبوی کے سلسلہ میں سہیلی سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ (۱۳۹)

۱۰۔ خُشَنَسِی (۵۳۵ - ۶۰۶)

نام مصعب بن محمد بن مسعود الخشني الاندلسی الجبانی ہے۔ اندلس کے عظیم نحوویوں میں سے ایک تھے۔ ابن الزبیر کے مطابق ائمہ متقین میں سے ایک، فقہ و ادب کا معتبر نام، عربی میں درجہ امامت کے مالک تھے۔ تمام شیوخ کا اس پر اتفاق ہے کہ قوت حفظ و انضباط میں انکا جواب نہ تھا، علوم میں مہارت تامہ رکھنے والے، بہترین نقاد شعر، اور اخبار و علوم ادب، اسکی تاریخ، شاعری، زبان و لغت میں انکا ثانی نہ تھا (۱۵۰)۔ سیرت نگاری کے حوالہ سے ان کی مشہور ترین کتاب،، املاء علی سیرة ابن ہشام،، ہے۔ اس کی دو ضخیم جلدیں تقریباً ۵۰۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں اور اسے معروف مستشرق پال برنل (DR PAUL BRONNLE) کی ترتیب و تقدیم کے ساتھ۔ مطبع ہندیہ مصر سے ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء شاہان جرمنی روس کے تعاون سے شائع کیا گیا۔ اس شرح کی خصوصیت یہ

ہے کہ اسمیں واقعات و حالات وغیرہ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا اور شارح نے اپنی تمام تر توجہ (أ) غریب و مشکل الفاظ کی تشریح (ب) غریب ابیات کی تفسیر (ج) رفع التباسات اور (د) حل ایجاز پر مرکوز رکھی ہے۔ (۱۵۱)

۱۱ - ابن دحیة (۵۴۳ - ۶۳۳)

ابن خلکان کے مطابق انکا نام و نسب یہ ہے : ابو الخطاب عمر بن الحسن بن علی بن محمد الجمیل بن دحیة بن خلیفہ بن فردة اکلبی المعروف بذی النسیین الاندلسی البلبسی الحافظ - ان کی ولادت ۵۴۳ھ/ ۱۱۵۰ء میں اور وفات ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۰ء میں بمقام قاہرہ ہوئی (۱۵۲)۔ اندلس کے ممتاز علماء اور مشاہیر فضلاء میں سے تھے - صرف ، نحو شعر و ادب ، تاریخ مغرب اور فقہ کے ساتھ علم حدیث بھی کمال تحقیق کے ساتھ حاصل کیا تھا - اور عمر کا بڑا حصہ تحصیل علم اور مراکش ، افریقہ ، مصر ، شام ، عراق بغداد واسط ، عراق العجم ، خراسان ، مازندران ، کے علماء سے طلب حدیث میں گزارا - ابن دحیہ نے دوران سفر ۶۲۶ ھ / ۱۲۲۹ء میں (خراسان کے والی الملک المعظم مظفر الدین ابن زین الدین کی فرمائش پر سیرت کے حوالہ سے ، کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر ، لکھی ، اور خود ہی چھ مجالس میں اسے پڑھ کر سنائی - اسکے معاوضہ میں ایک ہزار دینار سرخ کا انعام بھی پایا - اس کے علاوہ بھی انکی متعدد دوسری تصانیف تھیں - (۱۵۳)

۱۲ - الکلاعی (۵۶۵ - ۶۳۳)

پورانام و نسب یہ ہے : ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ بن سالم بن حسان الحمیری الکلاعی البلبسی - ولادت ۵۶۵ ھ / ۱۱۶۰ء میں ہوئی (۱۵۴) اور سن وفات ۶۳۳ ھ / ۱۲۳۰ء ہے (۱۵۵) - ذہبی کے بقول

کلاعی اندلس میں محدثین ، حفاظ ، علماء ، بلغاء کی آخری نشانی اور ،، اعلام الاثر ، کی باقیات تھے۔ ابن البار نے کہا حدیث میں نگاہ بصیرت رکھنے والے ، حافظ ، عاقل ، جرح و تعدیل کے عارف ، اور لوگوں کی تاریخ ہائے ولادت و وفات کو یاد رکھنے والے ، بالغ نظر خطیب، بڑوں بڑوں سے نظر ملا کر بات کرنے والے ، سریع الفہم، سلیقہ گفتگو رکھنے والے ، بادشاہوں کے دربار میں جا کر گفتگو ، خطابت ، اور بہترین ترجمانی کے جوہر دکھانے والے اور مجلسوں محفلوں کی زینت تھے (۱۵۶)۔

ان کی اگرچہ متعدد تصنیفات تھیں (مثلاً مصباح الظلم بشبه الشبهات ، کتاب اخبار البخاری ، کتاب الاربعین ، کتاب فی معرفة الصحابة والتابعین ، الامثال ، دیوان الشعر وغیرہ) (۱۵۷) تاہم سیرت نگاری کے حوالہ سے ،، المكتفٰی فی مغازی المصطفیٰ و الثلاثة الخلفاء (۱۵۸)، الاکتفا فی مغازی المصطفیٰ و الثلاثة الخلفاء (۱۵۹)، نامی کتاب لکھی جو چار جلدوں پر مشتمل تھی ۔ یہ کتاب بتصحیح و حواشی HENRI MASSE (استاذ الكلية الجزائرية، الجزائر) ۱۹۳۱ء میں پیرس سے شائع ہوئی ۔

۱۳۔ ابن سید الناس (۶۱ - ۳۳)

ابن العماد الحنبلی کے مطابق :

فتح الدین ابو الفتح محمد بن محمد بن محمد بن عبد اللہ بن محمد بن یحییٰ ابن سید الناس الشافعی ، الامام الحافظ الیعمری الاندلسی الأشبیلی المصری المعروف بابن سید الناس ۔ کی ولادت ۶۱ھ میں ہوئی اور سن وفات ۳۳ھ ہے (۱۶۰)۔ علم حدیث اپنے والد اور ابن دقیق العید سے حاصل کی اور نحو ابن النحاس سے ۔ علمی اسفار کے ذریعہ مختلف علوم و معارف میں مہارت بہم

پہنچائی، نظم اور نثر دونوں میں کمال حاصل کیا۔ متعدد تصانیف یادگار ہیں۔ (۱۶۱)۔

البتہ سیرت نگاری کے حوالہ سے ان کی اہم ترین تصنیف اور ان کی شہرت کا باعث کتاب „عیون الأثر فی فنون المغازی و الشمائل و السیر“ ہے (۱۶۲) یہ ایک بڑی اور ضخیم کتاب ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ (یعنی سیرۃ الکبریٰ) جبکہ اسکا خلاصہ „نور العیون“ کے نام سے کیا (۱۶۳) (سیرۃ الصغریٰ) ، حضور کی مدح میں قصائد بھی لکھے اور ان کی شرح بھی۔ مشہور قصیدہ „بشریٰ الحیب فی و ذکرئ الحیب ہے۔ (۱۶۴) جہاں تک عیون الاثر کا تعلق ہے۔ اس کا بنیادی موضوع ظاہر ہے سیرت الرسول ہے۔ جامع اور متین ہے۔ اور معتبر اور مستند روایات پر مشتمل ہے۔ جو کچھ لکھا ہے محدثین کے طریقہ پر سند کے ساتھ۔ نقل کیا ہے (۱۶۵)۔ اور کتاب کے آخر میں بھی تمام اسانید اور انکے مراجع واضح کر دیئے ہیں۔ (۱۶۶)

کتاب کی پہلی جلد میں دیباچہ کے بعد حضور کے نام نسب ولادت، رضاعت، اور بعثت سے پہلے اور بعد کے حالات، آپ کی تبلیغ و دعوت، اثرات و نتائج، راہ حق کی مشکلات، متعلقہ واقعات معراج، بیعت ہائے عقبہ، ہجرت مدینہ، مدنی زندگی میں غزوة احد سے پہلے کے غزوات و سرایا سے بحث ہے (۱۶۷) جبکہ دوسری جلد (۱۶۸) میں غزوة احد کے بعد پوری مدنی زندگی کے واقعات و حالات کا ذکر ہے، مثلاً واقعہ رجب، بئر معونہ، غزوة الخندق، غزوة بنی قریظہ، غزوة بن المصطلق، غزوة الحدیہ، فتح مکہ، غزوة تبوک، وفود العرب، آپ کے مکاتیب و مراسلات، حجة الوداع وغیرہ لکھے ہیں۔ سیرت نبوی کے مسلسل بیان کے بعد آپ کی حیات طیبہ کے اہم واقعات کا خلاصہ، اور سرکار نبوت کے اہم پہلوؤں کا خلاصہ بھی

بڑے سلیقہ سے مرتب کر دیا ہے مثلاً آپ کی اولاد، اعمام، ازواج، خدام، موالی، کتاب، صفات و شمائل وغیرہ۔ گویا مجموعی طور پر سیرت نبوی پر تمام ضروری معلومات پر مشتمل ایک ایسی جامع کتاب ہے جو دوسری بہت سی کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابن سید الناس نے اپنی کتاب میں سب سے زیادہ استفادہ علامہ ابن عبدالبر کی کتاب الدرر سے کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اسانید و مآخذ کے بیان میں دوسروں کا بھی شمار ہے۔ لیکن عملاً ابن سید الناس کی پوری کتاب ابن عبدالبر سے مستفاد ہے۔ خود ابن سید الناس، ابن عبدالبر کا نام بڑی عزت سے لیتے ہیں، ان سے اخذ و تلخیص کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ تاہم حقیقت یہ ہے جیسا کہ ڈاکٹر شوقی ضیف نے لکھا ہے کہ ابن سید الناس کی سیرت میں ابن عبدالبر کے اقتباسات اس غیر معمولی کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ ان کی کتاب، کتاب الدرر فی اختصار المغازی والسير کا تقریباً ایک نسخہ بن جاتی ہے چنانچہ متن کا باہمی مقابلہ اور اصلاح بہ آسانی کی جا سکتی ہے۔ (۱۶۹)

۱۴۔ ابن خلدون (۳۲۲ - ۸۰۸)

علمی تاریخی حلقوں میں ابن خلدون سے زیادہ کسی اور کی شخصیت شاید ہی مشہور و متعارف ہو۔ تاہم ضابطہ کی کارروائی کے طور پر چند باتوں کا اعادہ کافی ہے مثلاً اس کا نام عبدالرحمن اور کنیت ابن خلدون ہے۔ اس کا خاندان فتح اندلس کے زمانہ سے ہی اشبیلیہ میں صدیوں آباد رہا، البتہ جب اندلس کی شمالی عیسائی ریاستوں کی چیرہ دستیوں اشبیلیہ تک بڑھ گئیں تو دادا، مع اہل خاندان ترک سکونت کر کے تونس میں جا بسے۔ جہاں ابن خلدون کی ولادت رمضان ۷۳۲ھ / مئی ۱۳۳۲ء میں ہوئی۔ اور وفات قاہرہ

میں رمضان ۸۰۸ ھ (مطابق مارچ ۱۳۰۶ء) کو ہوئی۔ ابن خلدون کی پوری زندگی عروج و زوال سے عبارت ہے ، تاہم وہ دو مرتبہ اندلس گیا اور کچھ عرصہ مقیم رہا۔ پہلی مرتبہ ، ۶۳۰ھ - ۶۳۴ھ / ۱۳۶۲ - ۱۳۶۳ء میں جہاں وہ بنوالاحمر کے دربار میں مقیم رہا اور مشہور وزیر لسان الدین احمد ابن الخطیب کے ساتھ رابطہ دوستی استوار کیا۔ یہ سلسلہ دو سال سے زیادہ نہ چل سکا۔ دوسری مرتبہ ۶۴۵ھ / ۱۳۴۳ء میں مختصر عرصہ کے لئے وہ پھر اندلس گیا۔

ابن خلدون چار دانگ عالم میں اپنی کتاب العبر اور اس کے مقدمہ کے لئے مشہور ہے اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق اس کی کتاب العبر (قاہرہ ۱۲۸۳ ھ ، ۷ جلدیں) پچاس سال (چودھویں صدی کے دوسرے نصف) کے براہ راست مشاہدے اور متعدد کتابوں ، وقائع اور اپنے زمانے کی سفارتی اور سرکاری دستاویزوں کے گہرے مطالعہ کا ثمرہ ہے۔ اس کا مقدمہ جسمیں عربی علوم اور تہذیب کے تمام شعبوں سے بحث کی گئی ہے ، مصنف کے خیالات کی گہرائی ، وضاحت بیان اور اصابت رائے کے لحاظ سے اپنے زمانہ کی سب سے اہم تصنیف ہے اور بظاہر کسی مسلمان کی کوئی بھی تصنیف اس سے سبقت نہیں لے جا سکی ، (۱۷۰)

سیرت نگاری کے حوالہ سے ابن خلدون کی کتاب العبر کا وہ حصہ انتہائی قیمتی ہے جو تاریخ قبل از اسلام کے سلسلہ میں بنو عدنان ، اور قریش سے متعلق ہے۔ (بولاق ۱۲۸۳ ھ ایڈیشن ج ۲) نیز جسمیں سیرت نبوی کا تمام و کمال بیان موجود ہے۔ (مثلاً عہد جاہلیت کے حالات ، ولادت نبوی ، بعثت بمعراج ، آپ کی مبلغانہ سرگرمیاں ، بیعت ہائے عقبہ ، ہجرت ، غزوات ، سنۃ الوفود ، حجة الوداع اور وفات نبوی وغیرہ ، جبکہ اختتام ازواج مطہرات ، موالی

اور کاتبین ، وغیرہ کے ذکر پر ہوتا ہے) . یہ صحیح ہے کہ ابن خلدون کی تاریخ کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہو سکی جو اس کے مقدمہ کو حاصل ہے اور یہ بھی درست ہے کہ ابن خلدون کو شہرت مورخ اور مفکر کی حیثیت سے تو ملی لیکن سیرت نگار کی حیثیت سے نہیں ۔ لیکن جب حقیقت یہ ہے کہ سیرت نبوی اسکی تاریخ کا ایک حصہ ہے اور اس نے تاریخ قبل و مابعد کو اس سے مربوط کر دیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسکی سیرت نگارانہ حیثیت کو کسی اہمیت کا مستحق نہ سمجھیں ۔ علاوہ ازیں اس کی مورخانہ حیثیت کسی طور پر بھی اسکی سیرت نگارانہ حیثیت کو متاثر نہیں کرتی ۔ لہذا اس کے طویل تاریخی بیان میں نسبتاً مختصر بیان سیرت کو سامنے رکھتے ہوئے وہ بجا طور پر سیرت نگارانہ اندلس کی صف میں شامل ہے ۔

سیرت نگارانہ اندلس کا یہ مختصر تاریخی تعارفی جائزہ ظاہر ہے تمام پہلوؤں سے مکمل نہیں کہا جا سکتا ۔ لیکن تمام تر تشنگی کے باوجود یہ ضرور ثابت کرتا ہے کہ اسلامی اندلس میں سیرت نگارانہ سرگرمیاں ، کیف و کم کے فرق کے ساتھ ، تقریباً پانچ سو سال تک جاری و ساری رہیں ۔ اور سیرت نگارانہ اندلس نے سیرت کے لٹریچر میں یقیناً قابل قدر اضافہ کیا ہے ۔

اسناد و حواشی

- ۱۔ اردو زبان میں تاریخ اندلس پر جو کچھ (گذشتہ تقریباً ۱۰۰ سال میں) لکھا گیا ہے ۔ ابتداً زیادہ تر کام ترجموں کی شکل میں ہوا ۔ چنانچہ اگر ایک طرف عربی زبان کی چند اہم کتابوں (نفع الطیب ، اخبار مجموعہ ، افتتاح الاندلس ، اور الاحاطہ فی اخبار غرناطہ وغیرہ) کو اردو میں منتقل کیا گیا ، تو دوسری طرف یورپی زبانوں میں لکھی گئی بعض اہم کتابوں (مصنفہ کو ندے ، ڈوزی ، اسکاٹ ، ماریا کالیکٹ ، لین پول وغیرہ) کے تراجم شائع ہونے [تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو : پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی ۔ عبرت نامہ اندلس (اردو ترجمہ ۔ مولوی عنایت اللہ

دہلوی ،۔ مقبول اکیڈمی ، لاہور ۱۹۶۶ء۔ مقدمہ ، شیخ محمد احمد بانی پتی (مرتب) غالباً پہلی قابل ذکر باقاعدہ تصنیف نواب ذوالقدر جنگ بہادر کی ،، خلافت اندلس ، کے نام سے پہلی مرتبہ ۱۹۰۳ء، ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی جبکہ اسکا دوسرا ایڈیشن (جیسا کہ خود کتاب کے مقدمہ اور دیباچہ میں مذکور ہے) مشاہیر علمائے اندلس کے حالات کے اضافہ کے ساتھ ۱۹۳۳ء میں سرکار عثمانیہ دکن سے شائع ہوا۔ یہ ہمارے پیش نظر ہے۔ دوسری اہم کتاب مولوی محمد عنایت اللہ کی،، اندلس کا تاریخی جائزہ، دارالطبع سرکار عثمانیہ دکن سے ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی ہمارے سامنے اس کا جدید عکسی ایڈیشن ہے جو مقتدرہ قومی زبان۔ اسلام آباد نے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا تھا۔

۲۔ مولانا ریاست علی ندوی نے (اپنی کتاب ، تاریخ اندلس مطبوعہ ، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۵۰ء میں) اس کا اظہار بڑے خوبصورت الفاظ میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ،، اندلس کی زرخیز و سرسبز زمین پرشتریان عربوں نے سمندر کی تلاطم خیز موجوں سے کھیلنے ہونے پہلی مرتبہ عہد عثمانی میں قدم رکھا ، نیز ،، اندلس پر پہلا اسلامی حملہ عہد عثمانی میں ۲۷ھ میں کیا گیا۔ (ملاحظہ ہو۔ حصہ اول ص ۶۳)

۳۔ قدیم و جدید تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ سر زمین اندلس کی فتوحات کا آغاز اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں ہوا۔ چنانچہ پہلے پہل طریف کی سرکردگی میں جریرہ طریف پر فوج کشی (رمضان ۹۱ھ/جولائی ۷۱۰ء میں) ہوئی۔ المقری نے اپنی مشہور ترین ضخیم کتاب میں الحجازی اور ابن حبان کے حوالہ سے لکھا ہے (اول من دخل جزیرہ اندلس من المسلمین برسم الجهاد طریف) ملاحظہ ہو (المقری التلمسانی ، ۱۰۳۱ھ فتح الطیب من غصن الاندلس الرطیبه۔ تحقیق و تعلیق۔ محمد محی الدین عبدالحمید۔ المکتبۃ الہندیہ۔ مصر ۱۹۳۹ء طبع اول ج ۱ ص ۲۱۳) جبکہ موسیٰ بن نصیر کا نائب طارق بن زیاد اگلے سال (۹۲ھ/۷۱۱ء) وہاں پہنچا اور مغربی قوطی شہنشاہ راڈرک (لڈریق/ازریق) سے اسکی فیصلہ کن جنگ (۲۸ رمضان ۹۲ھ/۱۹ جولائی ۷۱۱ء) کو ہوئی۔ اس کے بعد بتدریج شہر پر شہر فتح ہونے چلے گئے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے : اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۶۳ء ج ۳ ص ۳۳۷ تا ۳۳۹) وغیرہ۔

۴۔ راڈرک کی شکست کے بعد اندلس اپنی خود مختارانہ حیثیت کھو بیٹھا۔ پورے جزیرہ نما پر رفتہ رفتہ اسلامی اقتدار قائم ہوتا چلا گیا اور اسطرح اندلس دمشق کی اموی خلافت کا ایک حصہ (صوبہ) بن گیا جسکا طارق بن زیاد (۹۲-۹۳/۱۱-۱۲) کے بعد پہلا والی عبدالعزیز بن موسیٰ (۹۷-۱۱۶/۹۸-۱۱۷) تھا اور آخری (۲۳ واں والی) یوسف بن عبدالرحمن الفہری (۱۳۸/۵۶) تھا اس کے بعد اندلس میں عبدالرحمن الداخل کی آزاد و خود مختار حکومت کا آغاز ہوا۔

۵۔ اندلس پر اسلامی اقتدار کے مختلف مراحل ہیں۔ آغاز دور ولایت (۱۲-۵۶) سے ہوا۔ پھر خود مختارانہ امارت (۵۶-۹۲۹) اس کے بعد دور خلافت (۹۲۹-۱۰۳۱) اس کے ساتھ ہی بساط اقتدار لپٹ گئی۔ اُویوں کے بعد ایک طرف تو شمالی عیسائی ریاستوں کا فروغ ہو اور دوسری طرف مختلف علاقوں (قرطیبہ، مالقہ، اشبیلیہ، طلیطلہ، سرقسطہ، المریہ، بطلیوس، غرناطہ وغیرہ) پر طوائف الملوک نے خود مختارانہ حکومتیں قائم کر لیں۔ اس کے پھر تین

مرحلہ ہیں۔ پہلے (۱۰۱۰ تا ۱۰۹۱) بنو جهور، بنو حمود، بنو زیری، صفالیہ، بنو ہود، بنو ذوالنون اور بنو عباد، ثانیاً شمالی افریقہ کے مراہطین (۱۰۹۱-۱۱۳۷) اور موحدین (۱۱۳۷-۱۲۲۳) کا سکہ چلتا رہا جبکہ تیسرے اور آخری مرحلہ میں بنو نصر (۱۲۳۲-۱۳۹۲ء/۶۲۹-۸۹۸ھ) کا قائم کردہ آخری غرناطی حصار بھی ٹوٹ گیا۔

۶- اندلس میں مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ ۱۳۹۲ء/۸۹۸ھ میں ہوا۔ انقراض حکومت کے بعد اندلس کے مختلف علاقوں میں جو مسلمان بچے کھچے رہ گئے تھے ان پر عیسائی حکمرانوں کے وحشیانہ مظالم، جاہرانہ سلوک اور بزور شمشیر انہیں عیسائی بنانے کے لئے طاقت کا بے دریغ استعمال خود عیسائی مورخوں کے نزدیک ہر طرح بے جواز تھا۔ مسلمانوں کا یہ عبرتناک انجام تاریخ انسانی و اسلامی میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۳۹۲ء میں زوال اقتدار کے بعد صلیبیوں نے ہر عہد و پیمانہ کی دھجیاں اڑا دیں، خود مسلمانوں سے انکا تشخص چھین لیا گیا۔ انہیں Morbos کہا جانے لگا، ان پر جبریہ ٹیکس (Cenasrales) لگایا گیا، ان کو نماز کی ادائیگی سے روکا گیا، اور یہ جبر عیسائی بنانے کے بعد بھی ان کو Ferramoras (یعنی Moorish Dogs) کہہ کر نشانہ نفرت و ملامت بنایا گیا۔ یہ ان مسلمانوں کا عبرت ناک انجام تھا جو کبھی برسراقتدار تھے۔ جو اپنی رعایا کے لئے عموماً مگر غیر مسلم باشندوں کے لئے خصوصاً ملامت و مروت، ترحم و تتم کے چمن آراستہ کرتے رہے مگر خود ان کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا اسے بلاچشم نم کون بیان کر سکتا ہے۔ [دیکھئے۔ اسٹینلے لین پول، دی مورس ان اسپین۔ پبلشرز یونائیٹڈ لمیٹڈ۔ لاہور (تاریخ طبع درج نہیں) خصوصاً باب Bearing the Cross (ص ۱۷۶ تا ص ۱۸۲) نیز ملاحظہ ہو: امام الدین، ڈاکٹر ایس، ایم۔ اے، پولیٹیکل ہسٹری آف مسلم اسپین۔ نجمہ سنز، کراچی ۱۹۸۳ء ضمیمہ ب ص ۲۷۲ و ما بعد]۔

۷- برق نے لکھا۔، یورپ صدیوں تک وحشت و بربریت اور تہ بہ تہ جہالت میں گرفتار رہا۔ وہاں تہذیب و اخلاق کا کوئی تصور نہیں تھا۔ آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمان اسپین پہنچے اور سو سال بعد سسلی میں وارد ہونے۔ یہ اپنے ساتھ تاریخ فلسفہ، طبیعیات، کیمیا، طب، ریاضی، شعر و ادب، تاریخ، علم الکلام، اور دیگر درجنوں علوم لے گئے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ علوم اٹلی، جرمنی، فرانس، اور دیگر ممالک میں پہنچے اور بارہویں صدی میں یورپ مائل بہ علم ہو گیا، یہ شوق پڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ سولہویں صدی میں ایک عام بیداری پیدا ہو گئی جسے یورپ کی حیاۃ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ (برق، ڈاکٹر غلام جیلانی۔ یورپ پر اسلام کے احسان۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور ۱۹۷۵ء۔ ص ۷۵، ۷۶)۔

۸- رابرٹ بریفاٹ، تشکیل انسانیت (اردو ترجمہ) عبد المجید سالک مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۲۹۲۔

۹- ڈنلپ، ڈاکٹر ڈی ایم۔ عربیک سائنس ان دی ویسٹ۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔ کراچی ۱۹۵۸ء، ص ۱۶۔

۱۰- محمد کرد علی۔ غابر الاندلس و حاضرہا۔ المطبعة الرحمانیہ۔ مصر ۱۹۲۳ء، ص ۵۲۔

۱۱- برق، یورپ پر اسلام کے احسان، ص ۸۷۔

۱۲- لین پول (مورس ان اسپین) ص ۸۵-۱۸۳ ملخصاً۔

۱۳- ایضاً۔

- ۱۳ - ان نمونوں کی ایک جھلک لین پوز کی کتاب کے چودھویں باب [Bearing the cross] میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔ (ص ۱۷۶ تا ۱۸۳) برق نے نقل کیا ہے کہ ۱۶۱۰ء میں تمام مسلمانوں کو ترک ملک کا حکم مل گیا۔ ڈیڑھ لاکھ عربوں کا ایک قافلہ بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا کہ بلیڈا نامی ایک پادری نے غنڈوں کو ساتھ ملا کر اُس قافلہ پر حملہ کر دیا۔ ایک لاکھ نفوس قتل کر ڈالی، اس کے بعد مسلمانوں کے گھروں، گلیوں اور بازاروں میں قاتلانہ حملے شروع ہو گئے اور ۱۶۳۰ء میں ایک بھی مسلمان اسپین میں باقی نہ رہا۔ (یورپ پر اسلام کے احسان ص ۸۷، ۸۸)۔
- ۱۵ - اسپین میں مسلمانوں کے بڑے بڑے ثقافتی مرکز چار تھے۔ قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ، اور طلیطلہ۔ ہر مرکز میں عظیم الشان کتب خانے تھے جنہیں بعد میں پادریوں نے جلا دیا۔ صرف طلیطلہ میں وہاں کے بشت زمینیز (Ximenez ۱۳۲۷ - ۱۵۱۷ء) نے مسلمانوں کی ۸۰ ہزار کتابیں نذر آتش کر دیں (ایضاً ص ۹۶)۔ جاہل اور وحشی عیسائی بادشاہوں اور پادریوں نے ساتھ لاکھ سے زیادہ کتابیں جلا دیں، ۷ لاکھ اسکندریہ میں، ۱۵ لاکھ اسپین میں، ۳۰ لاکھ طرابلس میں، ۳ لاکھ سسلی میں اور کئی لاکھ قسطنطنیہ، ایشیائے خورد، فلسطین و دمشق اور یورپ کے مختلف حصوں میں۔ (ایضاً ص ۹۷، ۹۸)۔
- ۱۶ - دیکھئے ابن الفرضی - حافظ ابی الولید عبداللہ بن محمد بن یوسف الازدی، تاریخ العلماء و الرواۃ للعلم بالاندلس - مکتبہ الخانجی - مصر ۱۹۵۳ء۔
- ۱۷ - (فتح الطیب) ص ۱۵۱ و ما بعد ج ۳۔
- ۱۸ - ایضاً ص ۱۷۱ تا ص ۱۹۶ (ج ۳)۔
- ۱۹ - دیکھئے: ابن بشکوال، ابی القاسم خلف بن عبدالملک - کتاب الصلۃ - المکتبۃ الاندلسیہ (الدار المصریہ للتالیف والترجمہ) قاہرہ ۱۹۶۶ء۔
- ۲۰ - ملاحظہ ہو: الحمیدی، ابی عبداللہ محمد بن فتوح بن عبداللہ - جذوۃ المقتبیس فی ذکرواۃ الاندلس (مقدمہ - زاہد الکونری) مطبوعۃ السعادیۃ - مصر ۱۹۵۲ء۔
- ۲۱ - ابن خلکان - القاضی أحمد - وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان (ولیہ فوات الوفیات لصلاح الکتبی) مطبوعۃ المیمیہ مصر، ۱۳۶۰ھ۔
- ۲۲ - السخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمن - الاعلان بالتوییح لمن ذم التاريخ - مکتبہ القدسی - دمشق ۱۳۳۹ھ۔
- ۲۳ - دیکھئے ص ۳۳۵ تا ۳۹۵ (کل ۲۸ علماء کا تذکرہ - ادیب و شاعر (۶) طیب (۳) صرف ونحو (۲) مورخ (۳) فقیہ و محدث (۱۰)، صوفی (۱)، فلسفی (۱)۔
- ۲۴ - رشید اختر ندوی - تہذیب و تمدن اسلامی - ادارۃ ثقافت اسلامیہ - لاہور۔
- ۲۵ - عبدالقوی ضیاء - تاریخ اندلس - ایجوکیشنل بکڈپو - حیدرآباد ۱۹۵۷ء۔
- ۲۶ - سیرت نگاری کیا ہے، اس کی تعریف، عناصر و لوازم، تقاضے، اصول و ضوابط وغیرہ پر گفتگو ایک الگ بحث کی متقاضی ہے جسکا یہاں موقع نہیں۔ لیکن سیرت اور علم و فن سیرت نگاری کے حوالہ سے عمومی گفتگو کے لئے ملاحظہ ہو: اردو دائرہ معارف اسلامیہ - دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۵ء (ج ۱۱ ص ۵۰۵ تا ۵۰۹) نیز دیکھئے - ڈاکٹر سید عبداللہ فن سیرت نگاری پر ایک نظر - ماہنامہ فکر و نظر - اسلام آباد - اپریل ۱۹۷۶ء ج ۱۳ شماره نمبر ۱۰ (ص ۸۲۵ تا ۸۳۳)۔

- ۲۷- اردو دائرۃ معارف اسلامیہ کے مطابق،، بنو امیہ کے عہد میں اس فن نے ترقی کی، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مغازی کی طرف خاص توجہ کی۔ ان کے حکم سے عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۱ھ) مسجد دمشق میں مغازی و مناقب کا درس دیا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں ابن شہاب الزہری (م ۱۲۳ھ) نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی۔ ان کے زیر اثر اس فن کا ذوق عام ہوا (ج ۱۱ ص ۵۰) سیرت نبوی کے قدیم مآخذ اور سیرت نگاری کے اولین معماروں میں سے موسیٰ بن عقبہ (م ۱۳۱ھ)، ابن اسحاق (م ۱۵۰ھ)، ابن ہشام (م ۲۱۸ھ) و اقدی (م ۲۰۰ھ) اور ابن سعد (م ۲۳۰ھ) شامل ہیں۔
- مزید تفصیل کے لئے دیکھئے [ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ - رسول اکرم کے سیرت نگار۔۔۔ ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد۔ ج ۸ شماره ۱۲، جون ۱۹۷۱ء ص ۸۸۷ و ماہجد] نیز ملاحظہ [ڈاکٹر نثار احمد فاروقی - ارلی مسلم ہسٹوریوگرافی - ادارہ ادبیات دہلی - ۱۹۷۱ء باب نہم، ص ۲۱۳ و ماہجد]۔
- ۲۸- اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ج ۳، ص ۳۳۹۔
- ۲۹- المقرئ، ج ۱، ص ۲۲۵۔
- ۳۰- عنان - محمد عبداللہ، دولة الاسلام فی الاندلس من الفتح الی نہایۃ مملکتہ غرناطہ - مطبعۃ لجنۃ التالیف و الترجمة والنشر - مصر ۱۹۳۳ء - ص ۳۳۔
- ۳۱- الحمیدی نے لکھا ہے: موسیٰ بن نصیر ابو عبدالرحمن صاحب فتح الاندلس وکان امیر افریقیۃ و المغرب ولیہا فی ۷۹ھ - وهو من التابعین روى عن تمیم الداری روى عنه مسروق الحیصی (جذوة المقتبس ص ۳۲) اور ابن خلکان نے بھی یہی تصریح کی ہے۔ (وفیات ج ۲ ص ۱۳۳)۔
- ۳۲- ابن الفرضی کے مطابق (دخل الاندلس من التابعین - حنش بن عبداللہ وعلی بن ربیع، ابو عبدالرحمن الحلبي و موسیٰ بن نصیر ص ۲۸) ان میں شامل تھے - جبکہ الحمیدی نے جہاد اندلس میں شریک تابعین میں محمد بن اوس بن ثابت الانصاری، عبدالرحمن بن عبداللہ الفافقی، زید بن قاض، کو شمار کیا ہے (دیکھئے ص ۷) المقرئ کی فہرست میں حیاة بن رجاء التیمی، حیان بن ابی جبیلۃ القرشی کا اضافہ ہے (ج ۱ ص ۲۵۹ و ماہجد)۔
- ۳۳- علامہ المقرئ نے عنوان ہی یہ قائم کیا ہے [بعض من دخل الاندلس من الصحابة ومن التابعین] اور لکھا ہے (رجل واحد من اصاعز الصحابة وهو المنبذ.... الخ) ملاحظہ ہو (ج ۱ ص ۲۵۹) پر یہ تفصیل دی ہے کہ ایک سے زیادہ مورخین نے لکھا ہے کہ کوئی صحابی اندلس نہیں آئے۔ نیز لکھا ہے۔ کہ ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب میں انکا نام منبذ الافریقی لکھا ہے اور ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے۔ (ایضاً) المقرئ کا دوسری جگہ بیان یہ ہے،، المنبذ الذی یقال انه صحابی رای رسول اللہ .. (ج ۳ ص ۲۳)۔
- ۳۴- بخوف طوالت ہم نے علماء و فضلاء کے نام اور کام ذکر نہیں کئے - تفصیل کے لئے ابن الفرضی سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔
- ۳۵- ابن الفرضی، ج ۱ ص ۲۳۰
- ۳۶- ایضاً ص ۲۸۷
- ۳۷- ایضاً ص ۱۸۲

- ۲۸ - ایضاً ص ۲۳۵
- ۲۹ - ایضاً ص ۳۰۰
- ۳۰ - وفیات ، ج ۲ ، ص ۲۱۶
- ۳۱ - ابن الفرضی (ج ۱) کے مطابق صرف یحییٰ بن یحییٰ سے روایت و سماعت کا شرف رکھنے والوں میں سے چند نام یہ ہیں - احمد بن الولید (ص ۲۳) احمد بن مروان (ص ۳۵) سعید بن محمد بن بشیر (ص ۱۹۲) عبدالرحمن بن ابراہیم (ص ۳۰۱) عبدالرحمن بن محمد بن ابی دیم (ص ۳۰۳) عمر بن موسیٰ الکتانی (ص ۳۶۳) فضل بن الفضل (ص ۳۹۳) ، وغیرہ وغیرہ -
- ۳۲ - لسان الدین الخطیب نے لکھا ہے : وكان عبدالرحمن من اهل العلم وعلی سيرة جميلة من العدل وكان عبدالرحمن بن معاوية فصيحاً بليغاً حسن التوقيع ... معدوداً من اهل العلم وعلی سيرة حسنة . ملاحظہ ہو : ابن الخطیب ، ذی الوزارتین لسان الدین - تاریخ اسبانیة الاسلامیة او کتاب الاعمال الاعلام تحقیق و تملیق لینی پروفنسال (Edehvi Provenal) دارالمکشوف بیروت ۱۹۵۶ء (طبع ثانی) ص ۱۰ -
- ۳۳ - ابن الخطیب کے مطابق و كان هشام الرضى من ائمة العدل و بمنزلة عمر بن عبدالعزيز في قومه بالاندلس (ص ۱۲) مزید (وكانت ايام هشام خير ايام عافية و هدوء و عدّه ابو محمد بن حزم ثالث ثلاثة من العدول في بنی امیة خاصة) ایضاً ص ۱۳ (عبدالله عنان نے ابن عبدالبرہ کا یہ قول نقل کیا ہے : كان احسن الناس وجهاً و اشرفهم نفساً آلکامل المرؤة الحاكم بالكتاب و السنة و كان يذهب مذهب عمر بن عبدالعزيز (ص ۲۲۰ - ۲۱۹) -
- ۳۴ - عبدالله عنان ص ۲۲۵ -
- ۳۵ - ایضاً -
- ۳۶ - الحمیدی ص ۱۱ -
- ۳۷ - الحمیدی کے الفاظ ہیں : و كان مُحِباً للعلوم موثراً لاهل الحديث ، عارفاً حسن السيرة (ص ۱۱ ، ۱۲) -
- ۳۸ - ایضاً ص ۱۲ قوسین میں تشریحی جملوں کا اضافہ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ کے مقالہ سے ماخوذ ہے دیکھئے (ج ۳ ص ۶۹۹)
- ۳۹ - دیکھئے اردو دائرۃ معارف اسلامیہ ج ۳
- ۵۰ - الحمیدی ص ۶۳ ، ۶۴ -
- ۵۱ - ایضاً
- ۵۲ - ایضاً ص ۸۷ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو : اسماعیل باشا البغدادی ، ہدیۃ العارفين اسماء المؤلفین و آثار المصنفین ، مطبعة المعارف - استانبول ، ۱۹۵۱ء -
- ۵۳ - اردو دائرۃ معارف اسلامیہ ج ۳ ص ۶۹۹
- ۵۴ - الحمیدی ص ۲۶۳ ، ۲۶۴
- ۵۵ - ایضاً ، ص ۳۱۱ ، ۳۱۲ -
- ۵۶ - ایضاً ص ۴۸
- ۵۷ - الحمیدی نے لکھا ہے : و كان حسن السيرة جامعاً للعلوم . محباً لها مكرماً باهلها و جمع من الكتب في انواعها مالم يجمعه احد من الملوك قبله هنالك و ذلك بارساله عنها الى الاقطار و

اشتراته لها بأعلى الأمان و نفق ذلك عليه فحمل اليه - (دیکھنے - جذوہ ص ۱۳) حکم کے عہد میں سرکاری شاہی لائبریری میں صرف مخطوطات کی تعداد ۶ لاکھ تھی ، جسمیں سے ۳ لاکھ سے کم میں تو کسی کو شبہ نہیں - المقری اور ابن خلدون کے مطابق شاہی لائبریری کی نامکمل فہرست ہی کم از کم ۳۳ مجلدات پر مشتمل تھی - (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو امام الدین ص ۱۶۸ تا ۱۸۳ -

- ۵۸ - محمد کرد علی ص ۵۳ ، ۵۵
- ۵۹ - الحمیدی ص ۱۹ ، ۲۰
- ۶۰ - محمد کرد علی ص ۲۷
- ۶۱ - یوسف المومنین بالله خود بھی علم ریاضی کا بڑا ماہر تھا - چنانچہ اس نے اس مضمون کی متعدد کتابیں تالیف کیں جن میں کتاب الاستکمال والمناظر بہت اہم ہے - اس کا انتقال ۳۸۸ھ/ ۱۰۸۵ء میں ہوا - (تناء الحق صدیقی - ضمیمہ - مرتب (ترجمہ اردو لین پول) مسلمان انڈلس میں ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی - ت - ط - ن) ص ۳۹۹ -
- ۶۲ - اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۹۶۶ء ، ج ۲ ، ص <<< -
- ۶۳ - ایضاً ج ۱ ص ۵۹۵
- ۶۴ - نواب ذوالقدر جنگ اپنی کتاب کے حصہ چہارم میں علمائے اندلس کا آغاز ابن عبد ربہ سے کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ : ،،اپنے وقت کا عالم تھا اور بالخصوص علم حدیث اور فن تاریخ میں ذی مرتبہ اور مستند محقق مانا جاتا تھا - (خلافت اندلس ص ۳۳۵) ابن الاثیر کے مطابق اس نے یقی بن مخلد ، ابن وضاح اور حشنی سے سماعت حدیث کی تھی - (دیکھنے : ابن الاثیر المورخ الکبیر عزالدین ابی الحسن ۶۳ء - اللباب فی تہذیب الانساب مکتبہ القدسی ، قاہرہ ۱۳۵۷ھ - ج ۱ ص ۱۶۱) ابن خلکان رقمطراز ہیں ،،کان من العلماء المکثرین من المخطوطات والاطلاع علی اخبار الناس و صنف کتابہ العقد ... (وفیات ج ۱ ص ۲۳) سیوطی ابن الاثیر کے بیان کی توثیق کرتے ہوئے سماعت حدیث بھی تسلیم کرتے ہیں - (السیوطی ، جلال الدین - بقیۃ الوعاء مطبع السعادة ، ۱۳۲۶ء ، ص ۱۶۱) -
- ۶۵ - ابن حزم کی کتاب ،،جوامع السیرة، دار المعارف مصر سے ڈاکٹر احسان عباس اور ڈاکٹر ناصر الدین اسد کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی جس کے شروع میں محققانہ مقدمہ شامل ہے - اور اس کی عکسی نقل دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور نے شائع کی (تاریخ طبع نامعلوم) اور جو اس وقت ہمارے سامنے ہے -
- ۶۶ - محمد اجمل اصلاحی - ابن حزم الاندلسی اور جوامع السیرة - نقوش - رسول نمبر (مرتبہ محمد طفیل) ادارہ فروغ اردو ، لاہور ، ۱۹۸۲ء ، ج ۱ ، ص ۶۰۳ -
- ۶۷ - ایضاً - ابن ہشام اور سیرت ابن ہشام کے عنوان سے (محمد اجمل اصلاحی صاحب کا مفصل محققانہ مقالہ جو سیرت ابن ہشام کے مکمل تعارف اور متعلقہ مباحث پر حاوی ہے) - تفصیل کے لئے دیکھنے (نقوش رسول نمبر ، ج ۱ ، ص ۳۵۲ تا ص ۳۹۶) -
- ۶۸ - ایضاً (اجمل اصلاحی ، ج ۱) ص ۳۸۵ ، ۳۸۶ سیرت ابن ہشام کی ترویج و اشاعت خاص طور سے ان تین برقی بھائیوں کے حصہ میں آئی جن کے واسطے سے یہ کتاب مشرق و مغرب کے مختلف گوشوں میں پہنچ کر عام ہو گئی (یعنی محمد بن عبداللہ م ۲۳۹ء ، احمد بن عبداللہ م ۲۷۰ عبدالرحیم بن عبداللہ م ۲۸۶ھ) پھر انکے شاگردوں سے روایت مزید شائع و ذائع ہوئی -

(ایضاً ۳۶۳ نیز ص ۲۸۳) ابن خیر اشبیلی کو سیرت ابن ہشام تمام واسطوں سے پہنچی تھی (ایضاً، ص ۲۸۳)۔

- ۶۹۔ ابن خلکان، وفيات ج ۱، ص ۳۳۔
- ۷۰۔ ابن عبد ربہ کی ولادت اور وفات کے بارے میں تمام اصحاب رجال و مؤرخین متفق اللسان ہیں۔ تعجب ہے کہ ابن الفرضی کے یہاں سہو کیسے ہو گیا اور انہوں نے تاریخ وفاة، سنۃ اثنتین و ثمانین و ثلاث مائۃ، یعنی ۲۸۲ لکھدی (حالانکہ، سنۃ ثمان و عشرين و ثلاثماتۃ، ہونا چاہئے تھا) ملاحظہ ہو ابن الفرضی (ج ۱ ص ۵۰)۔
- یہ اس لئے بھی غلط ہے (۲۸۲) کہ ابن عبد ربہ کا انتقال فالج سے ۸۱ سال کی عمر میں ہوا (ایضاً) اس صورت میں تاریخ ولادت بھی متنازع ہو جائے گی۔
- ۹۱۔ الحمیدی ص ۹۳۔
- ۹۲۔ ابن خلکان ج ۱ ص ۳۲۔
- ۹۳۔ اس وقت ہمارے سامنے المطبعة العامرة مصر کا ایڈیشن (سنۃ ۱۲۹۳ھ) ہے۔ پہلی جلد (۳۹۸) صفحات دوسری (۳۸۸) صفحات اور تیسری (۳۶۱) صفحات پر مشتمل ہے۔
- ۹۴۔ ملاحظہ ہو: ج ۳ ص ۶۰۔
- ۹۵۔ دیکھئے ج ۲ ص ۳۳۔
- ۹۶۔ ملاحظہ ہو: ابن خلکان ج ۱ ص ۳۳۰۔
- ۹۷۔ ایضاً ص ۳۳۰ - ۳۳۱۔
- ۹۸۔ اجمل اصلاحی (ابن حزم الاندلسی اور جوامع السیرة) ج ۱ (نقوش) ص ۱۲۶ بحوالہ حمیدی۔
- ۹۹۔ ابن خلکان، ج ۱ ص ۳۳۰۔
- ۸۰۔ الذہبی، العبر فی خبر من غیر (بتحقیق الدكتور صلاح الدین المنجد) دائرہ المطبوعات والنشر، کویت، ۱۹۶۶ء ج ۳، ص ۲۳۹ (انہ اجتمع عنده بخط ابيه من تالیفه نحو اربعمئة مجلۃ)۔ اسی بات کو ابن حجر نے لسان المیزان (ج ۳ ص ۱۹۹) مطبوعہ دائرہ المعارف النظامیہ۔ دکن (۱۳۳۱ھ) نے بھی نقل کیا ہے۔
- ۸۱۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: اجمل اصلاحی کا مضمون نیز اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۳۸۶ و ما بعد۔
- ۸۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۳۹۱۔
- ۸۳۔ اجمل اصلاحی کی توجیہ جس سے ہمیں اتفاق ہے۔
- ۸۴۔ ابن العریف (۳۸۱ - ۵۳۶) کے الفاظ یہ ہیں۔ کان لسان ابن حزم المذكور وسیف، الحجاج بن یوسف شقیقین۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۵۴)۔
- ۸۵۔ اجمل اصلاحی نے ایک فہرست ان مشاہیر علماء کی دی ہے جن سے ابن حزم نے استفادہ کیا (دیکھئے ص ۵۹۹) اس فہرست میں تین ناموں کا اضافہ مناسب ہے (۱) ابو عامر احمد بن ابی مروان عبدالملک بن مروان الاندلسی القرطبی (۲۸۲ - ۳۲۶) ابن خلکان ج ۱ ص ۳۵ (۲) ابو الولید سلیمان بن خلف بن سعید بن ایوب۔ المالکی الاندلسی الباجی (۳۰۳ - ۳۴۳) ابن خلکان ج ۱ ص ۲۱۵ (۳) احمد بن رشیق سے (۳۲۰ - ۳۳۰ تک) استفادہ کیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۳۹۰)۔
- ۸۶۔ اجمل اصلاحی (ابن حزم) ص ۶۰۳ تا ص ۶۰۷۔

- ۸۷ - اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۳۹۰ -
- ۸۸ - ایضاً ص ۳۸۷ -
- ۸۹ - الحمیدی ص ۲۹۲ -
- ۹۰ - ابن حزم - حجة الوداع -
- ۹۱ - دیکھئے جوامع السیرہ (ملحقات) ص ۳۶۷ - ۳۶۸ -
- ۹۲ - ایضاً ص ۳۶۹ -
- ۹۳ - ابن خلکان ، ج ۱ ص ۳۳۰ -
- ۹۴ - ایضاً ، ج ۲ ص ۳۳۸ -
- ۹۵ - ایضاً ص ۳۵۰ -
- ۹۶ - الحمیدی ص ۳۳۳ -
- ۹۷ - ایضاً ص ۳۳۵ -
- ۹۸ - ابن خلکان ج ۲ ص ۳۳۸ -
- ۹۹ - الدكتور شوقی ضیف - الدرر فی اختصار المغازی والسير - ابن عبدالبر - المجلس الاعلیٰ للشؤون الاسلامیة قاہرہ ۱۹۶۶ء (مقدمہ) ، ص ۶ ، < -
- ۱۰۰ - ابن عبدالبر کی کتاب الدرر پر ڈاکٹر شوقی ضیف کے تعارف/مقدمہ کے اردو ترجمہ و تحشیہ پر مشتمل محمد اجمل اصلاحی کا مقالہ (نقوش رسول نمبر، شماره نمبر ۱۳۰ ج ۱ ص ۶۱۵ تا ۶۳۶) بھی ہمارے سامنے ہے اور ڈاکٹر شوقی کے مقدمہ کا اردو ترجمہ اسی سے اخذ کیا گیا ہے۔
- ۱۰۱ - ڈاکٹر شوقی ضیف - (مقدمہ) ص ۱۲ -
- ۱۰۲ - ایضاً -
- ۱۰۳ - ایضاً -
- ۱۰۴ - ابن عبدالبر (الدرر) ص ۳۰ تا ۳۷ -
- ۱۰۵ - ڈاکٹر شوقی ضیف (مقدمہ) ص ۱۲ -
- ۱۰۶ - ابن عبدالبر (الدرر) ص ۲۶۹ -
- ۱۰۷ - ایضاً ص ۲۶۷ -
- ۱۰۸ - ڈاکٹر شوقی ضیف ، ص ۱۳ ، ۱۰۹ -
- ۱۰۹ - ایضاً ص ۱۳ -
- ۱۱۰ - ایضاً -
- ۱۱۱ - ایضاً ص ۱۵ -
- ۱۱۲ - ایضاً ص ۱۷ -
- ۱۱۳ - ایضاً -
- ۱۱۴ - السیوطی ، العلامہ العافظ جلال الدین ، عبدالرحمن - بغیۃ الوعاہ فی طبقات اللغویین والنحاة ، مطبعة السعادة ، مصر (الطبعة الاولى) ۱۳۲۶ھ - ص ۳۰۹
- ۱۱۵ - ابن حجر المسقلانی - لسان المیزان ، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة العثمانیة ، دکن ۱۳۳۱ھ ، ۶ ، ص ۱۹۳ -
- ۱۱۶ - السیوطی - (بغیۃ) ص ۳۰۹ -
- ۱۱۷ - ایضاً -

- ۱۱۸ - ایضاً -
 ۱۱۹ - ابن حجر (لسان) ج ۶ ص ۱۹۳ -
 ۱۲۰ - محمد اجمل اصلاحی (نقوش رسول نمبر ج ۱ ، ص ۳۸۶) -
 ۱۲۱ - ابن حجر (لسان) ج ۶ ص ۱۹۳ -
 ۱۲۲ - کحالة عمر رضا - معجم المؤلفین ، تراجم مصنفی الکتب العربیة - مطبعة الشرقی ، دمشق
 ۱۳۷۸ھ ، ۱۹۵۸ء ، ج ۶ ، ص ۱۳۸ -
 ۱۲۳ - ابن خلکان ج ۱ ص ۲۶۸ -
 ۱۲۳ - ایضاً -
 ۱۲۵ - ایضاً -
 ۱۲۶ - نواب ذوالقدر جنگ (خلافت اندلس)
 ۱۲۷ - ذہبی (تذکرۃ الحفاظ) ج ۳ ص ۹۹ -
 ۱۲۸ - ابن خلکان ج ۱ ص ۲۹۲ -
 ۱۲۹ - ایضاً ص ۲۹۲ - ۲۹۳ -
 ۱۳۰ - تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو : محمد عبدالحکیم شرف قادری - قاضی عیاض - (نقوش رسول نمبر) لاہور ج ۱ ص ۶۲۸ نیز دیکھئے : ڈاکٹر تقی الدین ندوی - سیرت نبوی کے قدیم و اولین مآخذ اور ان کا تنقیدی جائزہ - معارف - دار المصنفین اعظم گڑھ (ج ۱۲۷ شماره ۶) جون ۱۹۸۱ء ، ص ۳۳ - ۳۳۲ -
 ۱۳۱ - ابن خلکان ج ۱ ص ۲۹۲ -
 ۱۳۲ - ڈاکٹر تقی الدین ندوی ص ۳۳۳ -
 ۱۳۳ - حاجی خلیفہ - کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون - مطبع معارف (المطبعة البہیة) ۱۹۳۱ء ، ۱۳۶۰ھ ج ۱ ص ۱۰۵۳ -
 ۱۳۳ - ایضاً ص ۱۰۵۳ تا ۱۰۵۵ -
 ۱۳۵ - عبدالحکیم شرف قادری ص ۶۳۲ -
 ۱۳۶ - ایضاً ص ۳۳ - ۶۳۲ -
 ۱۳۷ - ابن فرحون الیعمری المدنی المالکی ، برهان الدین ابراہیم علی بن مہرین الدیباج المنہب فی معرفۃ أعیان علماء المنہب - مصر ۱۳۵۱ھ - ص ۱۷۰ -
 ۱۳۸ - عبدالحکیم شرف قادری ص ۶۳۰ -
 ۱۳۹ - دیکھئے : نقوش (رسول نمبر) ج ۱ ص ۶۳ نام کی حد تک اس کا حوالہ ڈاکٹر تقی الدین کے مقالہ (ص ۳۳۳) میں بھی ہے -
 ۱۴۰ - ابن خلکان ج ۱ ص ۱۷۲ -
 ۱۴۱ - ایضاً دیکھئے : سرکیس ، یوسف الیان - معجم المطبوعات العربیة - مطبعة سرکیس مصر ج ۱ ، ص ۳۶ ، ۱۹۲۸ء -
 ۱۴۲ - ذہبی - (العبر فی خبر) ج ۳ ص ۲۳۳ -
 ۱۴۳ - ابن فرحون ص ۱۱۳ - تمجب ہے ابن فرحون نے ابن بشکوال کی تاریخ وفات ۵۹۸ھ لکھی ہے (ایضاً) جو غلط ہے -

- ۱۳۳ - ابن بشکوال - کتاب الصلة - الدار المصرية للتالیف والترجمة - (المکتبة الاندلسیه) قاہرہ مصر ۱۹۶۶ء ، دیباچہ کتاب میں جہاں مولف کا ترجمہ مذکور ہے وہاں ذہبی کے حوالہ سے ۱۸ کتابوں کی فہرست بھی دی گئی ہے (ص ۲) - فہرست میں یہ بھی شامل ہے -
- ۱۳۵ - ابن خلکان ج ۱ ص ۲۸۰ -
- ۱۳۶ - ایضاً -
- ۱۳۷ - ذہبی (العبر) ج ۳ ص ۲۳۳ -
- ۱۳۸ - السہیلی ، ابی القاسم عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد بن ابی الحسن الحنفی - کتاب الروض الاف - فی تفسیر ما اشتمل علیہ حدیث السیرۃ النبویۃ لابن ہشام و بہامشہ ،، السیرۃ النبویۃ - مطبعۃ الجمالیۃ مصر ۱۹۱۳ء ، مقدمہ ، ص ۳ -
- ۱۳۹ - ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ - رسول اکرم کے سیرت نگار - فکرونظر ، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ، ج ۸ شماره ۱۲ - جون ۱۹۶۱ء ص ۸۹۵ -
- ۱۵۰ - السیوطی (بقیہ) ص ۳۹۲ -
- ۱۵۱ - الخشنی ، ابو ذر بن محمد بن مسعود - شرح السیرۃ النبویۃ (روایۃ ابن ہشام) مطبعۃ ہندیہ - مصر ۱۳۲۹ھ ج ۱ ص ۲ -
- ۱۵۲ - ابن خلکان ج ۱ ص ۳۸۳ -
- ۱۵۳ - ایضاً ج ۱ ص ۳۸۱ -
- ۱۵۴ - ذہبی - (تذکرۃ الحفاظ) - ج ۳ ص ۲۰۲ -
- ۱۵۵ - ایضاً ص ۲۰۳ -
- ۱۵۶ - ذہبی (العبر) ج ۵ ص ۱۳۸ -
- ۱۵۷ - کحالہ - ج ۳ ص ۲۷۷ -
- ۱۵۸ - علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں کتاب کا نام المکتفی فی مغازی المصطفیٰ لکھا (ج ۳ ص ۲۰۲) -
- ۱۵۹ - کحالہ نے کتاب کا بھی نام لکھا ہے - جبکہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ،، الاكتفاء فی مغازی رسول اللہ ،، درج ہے (ج ۱۱ ص ۵۰۸) اور فہرست کتب سیرت (بلسلسلہ نمائش کتب سیرت (۲ - ۱۹ مئی ۱۹۶۳ء) بمقام اسلامیہ کالج لاہور) مجلس اسلامیات لاہور ۱۹۶۳ء میں کتاب الاكتفاء فی مغازی المصطفیٰ والثلاثۃ الخلفاء (ص ۲۳ شماره ۲۶) درج ہے -
- ۱۶۰ - ابن العماد الحنبلی م ۱۰۸۹ھ ، المورخ الفتیہ الادیب ابی الفلاح عبدالحنی - شذرات الذهب فی اخبار من ذهب ، مکتبہ القدسی - قاہرہ ۱۳۵۰ھ ، ج ۶ ، ص ۱۰۸ -
- ۱۶۱ - الذہبی - العبر فی خبر من غیر - دار الکتب العلمیہ - بیروت ۱۹۸۵ء ج ۳ ص ۹۹ نیز دیکھئے ذہبی (تذکرہ الحفاظ ج ۳ ص ۲۸۵) -
- ۱۶۲ - ابن سید الناس - عیون الاثر فی فنون المغازی والشمانل والسير - مکتبہ القدسی - قاہرہ ۱۳۵۶ھ -
- ۱۶۳ - ایضاً - دیکھئے (ترجمۃ المؤلف) -
- ۱۶۴ - سرکیس (معجم المطبوعات) ج ۱ ص ۱۲۶ -
- ۱۶۵ - ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ - ص ۲۰۱ -

- ۱۶۶ - دیکھئے ابن سید الناس - (عیون ص ۳۳۲ و مابعد) ذکر الاسانید التی وقعت لی، من المصنفین) -
- ۱۶۷ - عیون الاثر کی پہلی جلد مع فہرست ۳۱۰ صفحات پر مشتمل ہے۔
- ۱۶۸ - کل صفحات مع فہرست (۳۵۶) -
- ۱۶۹ - ابن عبد البر (الدرر) مقدمہ ص ۱۷ تا ۱۹ -
- ۱۷۰ - دیکھئے ج ۱ ص ۵۰۶ - ابن خلدون کے حالات کے لئے اسی کو زیادہ سامنے رکھا گیا ہے۔

